# علامہ شبلی نعمانی اور عربی زبان وادب

ابوسفیان اصلاحی ☆


## Abstract

### *Shibli Nomani and Arabic Language and Literature*

It is well stated that Shibli Nomani (1857- 1914) was pre-eminently a historian by temperament and taught history to his people. As Islamic history is based upon original Arabic sources, and no historian can write objective Islamic history without knowing Arabic language. Shibli Nomani's services for the promotion of Arabic language and literature is highlighted in this article.


**Key words:** *Shibli Nomani, Arabic language, Islamic history, Arabic sources.*

علامہ شبلی کی عظیم شخصیت علوم وفنون کی دنیا میں شہرت کی بلندیوں پر فائز ہے، وہ اپنی علمی کاوشوں کی وجہ سے ہند اور بیرون ہند یکساں طور سے جانے جاتے ہیں، سیرت، تاریخ، فلسفہ اور اردو ادب میں انہوں نے ناقابل فراموش خدمات انجام دی

☆ ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، صدر شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈیا

ہیں۔ اردو زبان وادب کو سنوارنے اور اسے ایک علمی وتحقیقی زبان بنانے میں انہیں اولیت حاصل ہے۔ اردو اور فارسی کے علاوہ علامہ کو عربی زبان وادب پر بھی عبور حاصل تھا۔ انہوں نے عربی زبان کی اہم ادبی اور اسلامی کتب کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ انہوں نے مآخذ ومصادر میں جن عربی امہات الکتب کا استعمال کیا ہے، ان سے معاصرین اہل علم واقف بھی نہ تھے اور اگر واقف تھے تو ان تک ان کی رسائی نہ تھی۔ مولانا عربی کی نادر کتابوں سے ایک تو سفرنامہ روم ومصر وشام کے دارون واقف ہوئے اردو دوسرے دنیا کے مختلف حصوں میں موجودہ کتب اور شائع ہونے والی کتب کو حاصل کرنے کے لئے وہ مستقل اپنے بیرون ہند رہنے والے احباب کو خطوط لکھتے۔[۱]

مولانا کی عربی زبان وادب کے سلسلے میں کیا خدمات ہیں اس پر روشنی ڈالنے سے قبل مناسب ہے کہ علامہ کی عربی تعلیم اور ان کے عربی علوم کے اساتذہ کا بھی ذکر کیا جائے۔ علامہ کی عربی تعلیم کی ابتداء اعظم گڑھ شہر کے ''مدرسہ عربیہ'' میں ہوئی۔ اس وقت مولانا سخاوت علی جونپوری [۲] کے شاگرد خاص مولوی فیض اللہ صاحب (متوفی ۱۸۹۸ء) اس مدرسہ کے مدرس اعلی تھے۔ آپ نے ہی علامہ کو کچھ عربی کی کتابیں پڑھائیں۔ عربی کے شاعر اور ادیب مولانا علی عباس صاحب چریاکوٹی سے بھی بتایا جاتا ہے کہ کچھ چیزیں پڑھیں۔ ان کے علاوہ مولانا فاروق چریاکوٹی (متوفی ۱۹۰۹ء) کا نام ان کے اساتذہ میں سرفہرست آتا ہے۔[۳] علامہ نے خود اپنے عزیز ومشفق استاذ کے متعلق لکھا۔

> ''میں نے معقولات کی تمام کتابیں مثلاً میر زاہد، ملا جلال مع میر زاہد، حمد اللہ شرح ملائح صدرا، شمس بازغہ انہی سے پڑھیں اور میری تمام تر کائنات انہی کی افادات ہیں۔''[۴]

علامہ نے درسیات کی تکمیل اگر چہ مولانا فاروق سے ہی کر لی تھی۔ لیکن شوق علم نے انہیں اور دیگر علماء کرام کے سامنے زانو تلمذتہ کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ پہلے تو انہوں نے رامپور میں جا کر مولانا ارشاد حسین رامپوری سے ایک سال تک فقہ واصول کی تعلیم حاصل کرتے رہے اور آپ کے علاوہ اس وقت کے مشہور ومعروف عربی استاذ مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے عربی ادبیات میں استفادہ کیا۔ اور مولانا ہی کی وجہ سے اصلا علامہ کے اندر عربی زبان وادب کا مذاق حد کمال کو پہنچا۔ مولانا کے اندر سادہ عربی نگاری کا شوق حافظ کی کتابوں سے ہوا تھا۔ لیکن سچ پوچھئے تو یہ ذوق مولانا سہارنپوری کی صحبت کی دین ہے۔ مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے حدیث کا درس حاصل کیا۔[۵] اس طرح سے دیکھا جائے تو علامہ نے عربی تعلیم اور عربی علوم وفنون کے درس مذکورہ بالا استاذہ سے لئے۔ یہ وہ اساتذہ کرام ہیں جو اپنے عہد میں علوم وفنون کی بلندیوں پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ نے بھی ان حضرات سے اکتساب فیض کے بعد اسلامیات کی دنیا میں قابل ذکر خدمات انجام دیں۔

اب ہم علامہ کی ان چیزوں کا ذکر کریں گے جن کا تعلق عربی زبان وادب سے ہے۔ علامہ کی ہر آن کوشش رہی کہ عربی زبان وادب کا دائرہ وسیع ہو اور جدید عربی ادب سے ہندوستانی طلبہ واساتذہ اچھی طرح واقف ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو مشرقی علوم اور عربی تعلیم کو لازم تصور کرتے تھے۔ وہ اس کے متعلق رقمطراز ہیں۔ ''اگر چہ نئی تعلیم کو پسند کرتا ہوں اور دل سے پسند کرتا ہوں، تاہم پرانی تعلیم کا سخت حامی ہوں اور میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کی قومیت قائم رکھنے کے لئے پرانی تعلیم ضروری اور سخت

ضروری ہے۔''٦ اپنے انہی خیالات کے پیش نظر مولانا کو علی گڑھ سے الگ ہونا پڑا اور بعد میں ان کی تمام تر توانائی اور التفات کا مرکز ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح اور دار المصنفین کی تاسیس وتعمیر پر رہی۔ ان مذکورہ اداروں سے مولانا کی ایک خواہش تو یہ پوری ہوئی کہ ان اداروں نے مشرقی علوم وفنون اور عربی زبان وادب کے میدان میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ لیکن دوسری آرزو یہ کہ جدید تعلیم کا ملت اسلامیہ میں فروغ ہو، پوری نہ ہوسکی۔

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان وادب کی جو غیر معمولی صلاحیت عطا کی تھی وہ اس سے دوسروں کو بھی فیضیاب کرنا چاہتے تھے۔ ١٨٨٣ء میں علی گڑھ کالج کے اندر مولانا کا تقرر اسسٹنٹ عربک پروفیسر کی حیثیت سے ہوا، مولانا نے ایف اے اور بی اے کے لڑکوں کو فارسی اور انٹرنس اور سکنڈ کے لڑکوں کو عربی پڑھانے لگے۔ آگے چل کر مولانا کی ترقی ہوئی تو عربی کے پروفیسر ہوگئے۔ قرآن کریم اور دینیات کا درس دینے لگے۔ کالج کے طلبہ کے علاوہ شہر کے بعض عربی طلبہ بھی کبھی کبھی مولانا سے پڑھنے کے لئے آتے تھے، اسی زمانہ میں کالج میں مولانا مفتی لطف اللہ صاحب بھی تھے جو عربی درس گاہ کے طلبہ کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان طلبہ میں جنہیں عربی ادب کا شوق تھا وہ مولانا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔۷

علامہ نے اپنی ذاتی محنتوں سے کالج کے اندر عربی زبان وادب کا ذوق وشوق پیدا کر دیا۔ طلبہ آپ کے درس میں بڑی دلجمعی سے حصہ لیتے، ان طلبہ میں مولانا حمید الدین فراہی، مولوی بہادر علی صاحب اور مولوی داؤد صاحب کے نام نامی لئے جاتے ہیں۔ اسی زمانہ میں مولانا نے قرآن کریم کا درس بھی کالج کے اندر شروع کر دیا جس کی وجہ سے طلبہ کے اندر مطالعۂ قرآن کریم کا شغف پروان چڑھا۔ محمد علی مرحوم کا کہنا ہے کہ مجھے اسی زمانہ سے قرآن کریم کے اصول بلاغت اور صنائع وبدائع کو بتاتے تھے۔ کالج کے اندر مولانا ہی کی نجی کوششوں سے محفل میلاد کا انعقاد ہونے لگا اور طلبہ میں ذات بابرکت حضور اقدس ﷺ سے محبت وعقیدت خوب پروان چڑھنا شروع ہوئی۔ نقوش سیرت پاک کو منظر عام پر لانے کے لئے انہوں نے طلبہ کے لئے عربی میں ایک مختصر رسالہ ''بدء الاسلام'' کے نام سے ترتیب دیا۔۸

کالج کے طلبہ کے اندر عربی تحریر وتقریر کو فروغ دینے کے لئے مولانا نے ایک ادبی انجمن ''لجنۃ الادب'' کی بنیاد ڈالی۔ اس میں طلبہ بڑے جذبہ وحوصلہ کے ساتھ حصہ لیتے، طلبہ اس میں اپنی عربی تحریر پیش کرتے۔ نظمیں سناتے اور تقریریں کرتے تھے۔۹ مولانا شبلی کو جب شمس العلماء کا خطاب ملا تو ''لجنۃ الادب'' اور ''اخوان الصفا'' دونوں نے مولانا کو مبارکباد پیش کرنے کے لئے ایک عظیم جلسہ کیا جس میں کالج کے تمام سربرآوردہ حضرات سرسید، سید محمود، نواب محسن الملک، مولانا حالی، نواب مزمل اللہ خان، پروفیسر آرنلڈ اور سید کرامت وغیرہ اور طلبہ شریک ہوئے تو اس جلسہ میں مختلف زبانوں میں تحریر وتقریر کی صورت میں مولانا کو مبارکباد پیش کی گئی۔ یہاں ہمیں بتانا یہ مقصود ہے کہ کیا کیا چیزیں اس وقت عربی میں پیش کی گئیں۔ ایک تو ممبر لجنۃ الادب اور اخوان الصفا جناب مولوی داؤد صاحب نے مولانا کی شان میں عربی میں ایک قصیدہ پیش کیا جس کے تین شعر ملاحظہ ہوں:

حمد لمن جعل النجوم دراریا     والشمس نوراً للحنادس ماحیا

(اس کا شکر ہے جس نے تاروں کو روشن اور سورج کو وہ روشنی بنایا جو تاریکیوں کو مٹا دیتی ہے۔)

حینا یحبر فی العلوم رسائلا حینا یشید للفنون مبانیا

(کبھی وہ علوم کے رسالے نقش کرتا ہے اور کبھی فنون کی عمارتیں بلند کرتا ہے)

لله درمدرس تدریسه سیل الی وقد یغشی وادیا

(ایسا اچھا مدرس ہے کہ اس کا درس ایک سیلاب ہے جو وادی میں چھا جاتا ہے)

اس کے بعد نذیر احمد صاحب بی اے نے عربی زبان میں تقریر کی۔ اس کی کچھ چیزیں آپ کے لئے حاضر ہیں۔

خذ ماتراه ودع شیئا سمعت به فی طلعت الشمس ما یغنیک من زحل ، تفخر اللجنة الادبیة بان اعظم ارکانها بل بانیها لقب لشمس العلماء وتهنئه الآن بهذا الاعزاز والا کرام.

ترجمہ: ''جو دیکھتے ہو اس کو قبول کرو اور جو سنتے ہو اس کو چھوڑ دو۔ آفتاب نکل نے کے بعد زحل کی کیا ضرورت ہے۔ لجنۃ الادب فخر کرتی ہے کہ اسکے سب سے بڑے رکن بلکہ بانی کو شمس العماء کا لقب دیا گیا۔ وہ ان کو ان کے اس اعزاز واکرام پر مبارکباد دیتی ہے۔''

نذیر احمد صاحب کے بعد اخوان الصفا اور لجنۃ الادب کے ایک اور ممبر ممتاز حسین نے عربی میں تقریر کی اس کے بعد ممبر اخوان الصفا اور لجنۃ الادب مولوی حمید الدین نے مولانا کی شان میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ اس قصیدے کے دو شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

قد کنت قدماً للمعالی سامیاً اورثته عن شمیمة الآباء

(تو پہلے سے بلندی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تو نے اپنے اسلاف سے یہ وراثت میں پایا ہے)

فلانت بالعذمات سیف صارم ولانت برق لا مع بذکاء

(کیونکہ تو اپنے پختہ عزم میں شمشیر براں ہے اور تو ذکاوت میں برق لامع ہے۔)

اس مجلس کے اختتام پر مولانا الطاف حسین حالی نے بھی عربی میں بطور تہنیت ایک قصیدہ مولانا کے لئے پیش کیا۔ اس کے بھی دو شعر نقل کئے جا رہے ہیں:

انت اولی بان تلقب شمسا بل بان یجعلوک شمس الشموس

(تو اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تجھ کو آفتاب کا لقب دیا جائے بلکہ اس بات کا کہ تجھ کو آفتابوں کا آفتاب قرار دیا جائے)

انت شمس الهدی ولست شمس یعتریها الخنوس بعد خنوس

(تو ہدایت کا آفتاب ہے اور وہ آفتاب نہیں جس کو غروب پر غروب لاحق ہوتا ہے)[۱۰]

مذکورہ بالا چیزیں نقل کر کے بتانا یہ مقصود ہے کہ مولانا نے جس عربی انجمن کی بنیاد ڈالی تھی، اس میں کالج کے طلبہ کے اندر کتنی اچھی عربی تحریر و تقریر کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ اسی طرح جب مولانا ندوہ سے وابستہ ہوئے تو وہاں بھی طلبہ کے اندر عربی تحریر و

تقریر کا مذاق پیدا کرنے کے لئے فکر مند ہوئے۔ ایک مرتبہ ایک جلسہ کے موقع پر ناظم ندوہ مولانا سید عبدالحئی کو لکھتے ہیں: ''چند طلبہ کو عربی تقریر کی مشق کا حکم دیجئے۔''[۱۱]

ہندوستان کے عربی مدارس میں جو ایک بدنظمی اور بدانتظامی سرایت کر چکی تھی مولانا کو اس سے شدید ذہنی اذیت لاحق تھی۔ وہ عربی مدارس کو بہترین منتظم اداروں کی صورت میں لانا چاہتے تھے، اس کیلئے مولانا نے ایک خاکہ اس وقت پیش کیا تھا جب انہیں ۱۳۱۷ھ میں ریاست بھوپال کی جانب سے تنظیم عربی مدارس کے سلسلے میں مشورے کے لئے بلایا گیا تھا،[۱۲] یہی وجہ ہے کہ مولانا جب قسطنطنیہ تشریف لے گئے اور وہاں کے عربی مدارس کی حالت زار دیکھی تو انہیں اس پر گہرا قلق ہوا اور فرمایا کہ اس سے بہتر حالات تو ہمارے ہندوستان کے عربی مدارس کی ہے۔[۱۳]

اپنے ایک خط میں اس کا رونا اس طرح روتے ہیں۔ ''افسوس ہے کہ عربی تعلیم کا پیمانہ یہاں بہت چھوٹا ہے اور جو قدیم طریقہ تعلیم تھا اس میں یورپ کا ذرا پرتو نہیں۔''[۱۴]

مولانا کی عربی زبان وادب اور علوم فنون سے گہری دلچسپی کا ہی نتیجہ تھا کہ انہوں نے ان سے عربی میں گفتگو کی اور ان کے متعلق مولانا کا خیال یہ ہے کہ وہ عربی جانتے تو ضرور تھے لیکن بآسانی بول نہیں سکتے تھے[۱۵]۔ اسی سفر میں مولانا جس وقت بیت المقدس پہنچے تو وہاں کے مشہور اور نامور عالم اور مفتی شہر سید طاہر سے ملنے کے لئے گئے، اس وقت وہاں بہت سے علماء کرام جمع تھے اور قرآن کریم کی آیت ''الم تر کیف فعل ربک بارم ذات العماد'' پر بحث کر رہے تھے کہ خدا نے آنحضورﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے یہ واقعہ نہیں دیکھا ہے حالانکہ یہ واقعہ آنحضرتﷺ کی ولادت سے سینکڑوں برس پہلے کا ہے۔ یہی مسئلہ ان لوگوں نے مولانا کے سامنے بھی پیش کیا۔ مولانا نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا کہ رویت کا اطلاق علم یقینی پر بھی ہوتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے ''الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل'' عرب جاہلیت کے اشعار میں بھی اس کی کثرت سے مثالیں موجود ہیں۔ مولانا کے اس جواب پر ایک صاحب نے اعتراض کرنا چاہا تو اس پر مفتی صاحب نے انہیں روک دیا اور کہا کہ جواب بالکل درست ہے[۱۶]۔ ان دونوں واقعوں سے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں کہ انہیں عربی بولنے کا پورا ملکہ حاصل تھا۔

ہندوستان کے عربی مدارس میں جدید عربی کا رواج نہیں تھا۔ مولانا کی اس سلسلے میں یہ کوشش رہی کہ ہندوستانی عربی طلبہ کو جدید عربی زبان سے ضرور واقف ہونا چاہیے اور انہیں جدید عربی زبان کو جاننے کے لئے عرب ملکوں کے جرائد واخبارات کا کثرت سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ مولانا جب مصر وشام سے واپس آئے تو ان کے یہاں کثیر تعداد میں عربی رسائل اور جدید تالیفات آنے لگی تھیں۔ چنانچہ عربی اخبارات کے سلسلے میں جب مولوی ریاض حسن خان نے انہیں خط لکھا تو اس کے جواب میں مولانا انہیں لکھتے ہیں۔ ''عربی اخبار خود میرے پاس بہت سے آتے ہیں یعنی ثمرات الفنون، السلام، طرابلس، المنار، الہلال۔ لیکن معلوم نہیں آپ کس مذاق کے طالب ہیں۔ اگر علمی مضامین چاہتے ہیں تو مصر کا ماہوار رسالہ المقتطف طلب فرمایئے۔ اگر پالٹکس وغیرہ مقصود ہے تو قاہرہ کا اخبار المواید۔''[۱۷]

اپنے سفرنامہ میں بھی ان اخبارات کا ذکر کرتے ہیں جو جدید عربی زبان کے علمبردار تھے۔ ''اخبارات اور رسالے جو

یہاں سے نکلتے ہیں ان میں البشیر ، بیروت، تقدم ، ثمرات الفنون، الصبح المنیر ، الصفا، لسان الحال، الصباح ، الھدیہ، النشرۃ الاسبوعیہ، حدیقۃ الاخبار زیادہ مشہور ہیں''۱۷ اپنے سفر نامہ ہی میں آگے چل کر المؤید المقطم ، النقدم اور الاھرام کا بھی ذکر کرتے ہیں۔۱۸

گمان یہ ہے کہ بہت سے عربی اخبارات میں مولانا نے مضامین بھی لکھے ہوں گے، لیکن وہاں تک ان شاگردوں کی رسائی نہ ہونے کہ وجہ سے وہ مقالات صفحات کی نذر ہو گئے۔ البتہ مجلّہ''میں مولانا کا وہ تبصرہ شائع ہوا جو انہوں نے جرجی زیدان کی کتاب''تاریخ التمدن الاسلامی''پر نقد لکھا تھا۔۱۹ مولانا المنار کو بہت پسند فرماتے اور مستقل اس کا مطالعہ کرتے۔ ایک مرتبہ اس کا ایک مضمون انہیں بہت اچھا لگا تو سید سلیمان ندوی صاحب کو لکھتے ہیں۔''المنار میں اب کہ مسلمانان روس کی تعلیمی و تجارتی حالت مفصل چھپی ہے۔ اس کو الندوہ میں لو۔ پرچہ اگر وہاں نہ ہو تو عمادی صاحب کے یہاں سے منگوالینا۔''۲۰

یہاں اس چیز کا ذکر کردینا بھی بہتر ہوگا کہ پروفیسر انطون ۲۱ نے اپنی ادارت میں نکلنے والے پرچہ''البشیـــــــر''میں مولانا کا تعارف کرایا جس کی عبارت اس طرح ہے'' اجتمعنا فی ھذہ الایام علی حضرۃ العالم الشیخ شبلی النعمانی المعلم الاول للعلوم العربیۃ فی لدۃ علی گڑہ من بلادالھند فراینا فیہ رجلا کثیرا المعارف وھو جائز النشان الجیدی من الرتبہ الرابعۃ افام فی الاستانہ العلیۃ مدۃ ۳ اشھر و حضر الی بیروت الو جہ ھذا النھار الی زیارۃ بیت المقدس ثم منھا الی مصر ثم الی بلا د الھند.''۲۲

جس طرح مولانا نے بہت سے ان اخبارات کا ذکر کیا ہے جن کا عربی زبان و ادب کے ارتقاء میں اہم رول رہا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے سفر کی بہت سی انجمنوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کا عربی طلبہ کے لئے جاننا بہت ضروری ہے۔ مولانا نے ان انجمنوں کے مذاہب مقاصد اور بانیان کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن طوالت سے بچنے کے لئے یہاں صرف انجمنوں کے نام بتانے پر اکتفا کریں گے۔ (۱) مجلس ملی۔ (۲) تعلیم مسیحی (۳) قدیس پولس پیغمبر رسول (۴) خیریہ (۵) مرضی (۶) دفن الموتی (۷) زہرۃ الاحسان (۸) خیریہ (بانی خواجہ حنایۃ) (۹) دائرہ علمیہ (۱۰) احوایہ مار مردن (۱۱) یوحنا مار مردن (۱۲) جزیہ (بانی بشارہ خوری) (۱۳) دیر القمر (۱۴) شمس البر (۱۵) باکورۃ السوریہ (۱۶) انجیلیہ یہ تمام انجمنیں عیسائی حضرات کی زیر سرپرستی چلتی ہیں۔ مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ مصر کی دو مشہور انجمنوں''جمعیۃ العلماء المصریہ'' جو ۱۸۵۹ء میں قائم ہوئی اور''المجمع العلمی الجغرافی جس کو خدیو اسمعیل پاشا نے ۱۸۷۵ء میں قائم کیا، کا بھی ذکر کیا ہے۔۲۳

مولانا نے بہت سی علمی اور نادر کتب کا بھی ذکر کیا ہے جو عربی زبان و ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں سے کچھ کتب کے عناوین کا ذکر دینا عربی داں حلقہ کے لئے مفید ہوگا۔ یہ وہ کتابیں ہیں جنھیں مولانا نے اپنے سفر کے دوران مختلف کتب خانوں اور مطابع میں دیکھیں۔ ان میں سے چند مشہور کتب کے نام کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کریں۔ (۱) تاریخ خطیب بغدادی (۲) تاریخ اسلام از علامہ ذہبی (۳) تاریخ الحکماء از جمال القفطی (۴) تاریخ الکبیر امام بخاری (۵) تجارب الامم ابن مسکویہ (۶) منتظم لابن جوزی (۷) مراۃ الزمان بسط ابن الجوزی (۸) مسالک الابصار لابن فضل اللہ (۹) عقد الجمان لبدر الدین العینی (۱۰)

مختصر تاریخ دمشق ابن عساکر بجمال الدین بن مکرم الانصاری (۱۱) رحلۃ ابن خلدون (۱۲) نہایت الارب للبیوتری (۱۳) طبقات الادباء لیاقوت الحموی (۱۴) طبقات کبری لابن سعد (۱۵) طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی (۱۶) کتاب الاشراف للبلاذری (۱۷) سیدۃ العمرین لابن الجوزی (۱۸) کتاب البینا والتبیین للجاحظ (۱۹) صناعتین للعسکری (۲۰) دلائل الاعجاز لعبد القاہر الجرجانی (۲۱) تذکرہ ابن حمدون (۲۲) شرح تبریزی بر دیوان ابوتمام (۲۳) دیوان ابونواس (۲۴) سرقات المتنبی لابن العمید (۲۵) مجموعہ رسائل ابواسحاق صابی۔

قسطنطنیہ میں پہنچنے کے بعد مولانا نے کتب خانہ خدیویہ کے دیکھنے کا شرف حاصل کیا۔ یہ کتب خانہ قسطنطنیہ کے تمام کتب خانوں سے بہتر ہے۔ ۱۲۸۶ء میں قائم ہوا۔ اس میں قرآن مجید کے کئی نادر نسخے ہیں۔ ایک نسخہ ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ امام جعفر صادقؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں جو عربی کتابوں کی فہرست ہے وہ آٹھ جلدوں میں ترتیب دی گئی ہے۔ یہ کتابیں مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے تفسیر حدیث، تاریخ اور ادب سے متعلق کچھ خاص خاص کتابوں کے نام مولانا نے نقل کئے ہیں جن کو یہاں نقل کرنے سے قاصر ہیں ۲۴۔ ان کتابوں پر نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی مصادر و مآخذ پر مولانا کی کتنی وسیع اور گہری نظر تھی۔ ان میں سے بیشتر کتابیں ابھی ہندوستان تک نہیں پہنچی تھیں۔

مولانا کے عرب و نیا کے بے شمار اہل علم سے براہ راست روابط تھے۔ اور سفر کرنے کے بعد یہ دائرہ اور وسیع ہوا۔ ان علمی شخصیات کی وجہ سے عربی زبان وادب کو کافی فروغ ملا۔

مولانا نے علی پاشا مبارک ۲۵ (۱۸۲۴۔۱۸۹۳ء) کا ذکر کیا ہے جنہوں نے فرانس جا کر اپنی تعلیم کی تکمیل کی۔ ۱۲۸۵ء میں ڈائرکٹر تعلیم ہوئے تو انہوں نے تعلیمی میدان میں بہت سی اصلاحات کیں۔ ۱۸۹۳ء میں وہ مالک حقیقی سے جا ملے ۲۶۔ اسی طرح علی پاشا ابراہیم ۲۷ (۱۸۸۔۱۹۴۷ء) انہوں نے بھی ۱۲۶۰ء میں فرانس جا کر اپنی تعلیم کو پائی تکمیل تک پہنچایا۔ ۱۲۹۶ھ میں ڈائرکٹر تعلیم ہوئے، انہوں نے بھی شعبۂ تعلیمات میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ ۲۸ مولانا نے اپنے سفر نامہ میں امین بک فکری ۲۹ (۱۸۵۶ء۔ ۱۸۹۹ء) کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ بھی فرانس کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ۳۰ اس کے بعد مولانا نے احمد زکی ۳۱ (۱۸۶۷۔۱۹۳۴ء) پر روشنی ڈالی ہے، غلامی کے موضوع پر ان کا رسالہ ''الرق فی الاسلام'' بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس کے علاوہ بھی ان کی تصنیفات ہیں۔ ۳۲

اس کے بعد مولانا نے شیخ محمد عبدہ ۳۳ (۱۸۴۸ء۔ ۱۹۰۵) کا ذکر کیا ہے جن کی تعلیم روایتی انداز پر ہوئی لیکن اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے تمام جدید وقدیم تعلیم یافتہ طبقوں کے امام بن گئے۔ یہ مشہور زمانہ انقلابی شخصیت کے فیض یافتہ تھے، انہوں نے جدید عربی ادب کو ایک نیا اسلوب وانداز عطا کیا۔ مولانا کی ان سے ملاقات رہی۔ وہ ہر کی تعلیمی ابتری پر افسوس کر رہے تھے اور ساتھ ہی نئی تعلیم کے بھی شاکی تھے اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے متعلق کہتے تھے ''ھولاء اضل سبیلا'' (یہ لوگ تو اور گمراہ ہیں) گورنمنٹ نے انہیں عہدہ قضا پر مامور کیا وہ سررشتہ تعلیم کے لئے زیادہ موزوں تھے چنانچہ خود بھی اس کا افسوس کرتے تھے۔ ۳۴

مولانا کی اس سفر میں شیخ حمزہ فتح اللہ ۳۵ (۱۸۴۹۔۱۹۱۸ء) سے ملاقات ہوئی جو پرانے تعلیم یافتہ اور پرانے خیالات کے آدمی ہیں۔ عورتوں کے حقوق پر مولویانہ انداز میں ''حقوق النساء فی الاسلام'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر کیا ہے، وہ عربی زبان

کے استاذ ہیں۔ان کو عرب تہذیب وتمدن سے خاصا لگاؤ ہے۔۳۶

سید رشید رضا مصری (۱۸۶۵ء۔۱۹۲۵ء) کی شخصیت جدید عربی ادب میں منارۂ نور کے مانند ہے۔آپ کی اصلاحات کا سلسلہ بھی شیخ محمد عبدہ اور جمال الدین افغانی سے جڑا ہے۳۷۔مولانا کی ان سے مختلف موضوعات پر خط وکتابت رہی۔انہوں نے اپنے قائم ہونے والے مدرسہ ''الدعوۃ والارشاد'' کے باب مین مشورے طلب کئے، یہ ایک جدید طرز کا مذہبی مدرسہ تھا جس کی بنیاد پڑنے جارہی تھی۔مولانا نے اپنے انہی تعلقات کی بنیاد پر ۶/اپریل ۱۹۱۲ء مین ندوۃ کے اندر ہونے والے اجلاس کی صدارت کرنے کی درخواست کی جس کو انہوں نے قبول کرلیا۔ جب وہ ہندوستان آئے تو جگہ جگہ اور بالخصوص لکھنؤ میں ان کا نہایت عالیشان استقبال کیا گیا۔۳۸

ان شخصیات کے علاوہ بھی مولانا کی بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہوگی۔وہاں پر مولانا نے بہت سے علمی اداروں کی بھی زیارت کی ہوگی۔ان میں سے مولانا نے چند مشہور اداروں کا ذکر اپنے سفرنامہ میں کیا ہے، مثلاً دارالعلوم، مدرسۃ الحقوق، مدرسۃ الترجمہ اور مدرسہ الطب انجینئر نگ کالج اور مدرسۃ الصنائع وغیرہ۔ یہ وہ ادارے تھے جن کے متعلق ہندوستان میں بہت کم معلومات تھیں۔۳۹ اس کے علاوہ مولانا نے خصوصی طور سے جامعہ ازہر پر اظہار خیال کیا۔اور اس کی ابتری اور کسمپرسی کا رونا رویا ہے۔فرماتے ہیں ''مجھ اپنے تمام سفر میں جس قدر جامع ازہر کے حالات سے مسلمانوں کی بدبختی کا یقین ہوا کسی چیز سے نہیں ہوا۔ایک ایسا دارالعلوم جس میں دنیا کے ہر حصے کے مسلمان جمع ہوں جس کا سالانا خرچ دو تین لاکھ سے کم نہ ہو جس کے طلبہ کی تعداد ۱۲ ہزار سے متجاوز ہو۔اسی کی تعلیم وتربیت سے کیا کچھ امید نہیں ہوسکتی لیکن افسوس ہے کہ بجائے فائدہ پہنچانے کے لاکھوں مسلمانوں کو برباد کرچکا ہے۔''۴۰

اب تک کی گفتگو سے یہ اندازہ ہوا ہوگا کہ مولانا عربی زبان وادب کے سلسلے میں کس قدر مخلص تھے اور ہندوستان میں اس کے ارتقاء کے لئے حد درجہ متفکر تھے۔اسی عربی زبان کا جو عصری علوم وفنون سے واسطہ پڑا تو حالات کے لحاظ سے اس میں بہت سے نئے الفاظ، نئی تراکیب اور نئے جملے داخل ہوئے، اس کے سمجھنے کے لئے عرب دنیا کے اخبارات ورسائل کا مطالعہ نہایت ناگزیر تھا، چناچہ مولانا کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ ہندوستان میں عربی حلقہ کو جدید عربی زبان سے آشنا ہونا بہت ضروری ہے۔کیونکہ مصور وشام سے شائع ہونے والے اخبارات سے ہندوستانی عربی داں اس وقت تک متمتع نہیں ہوسکتا جب تک کہ جدید عربی زبان سے واقف نہ ہو۔اس بارے میں مولانا لکھتے ہیں کہ ''موجودہ عربی قدیم عربی سے اس قدر مختلف ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی بڑا عالم اگر مصر وشام کا سفر کرے تو اس کو وہاں کی زبان کے سمجھنے میں قریباً وہی دقت ہوگی جو ایک عامی کو ہوسکتی ہے۔''۴۱

مولانا کی پوری خواہش تھی کہ ہندوستان میں جدید عربی سے پوری واقفیت ہو۔مولانا کی جدید عربی کے متعلق یہ خواہش اور یہ کوشش ہندوستان میں پہلی پہلی تھی۔سید سلیمان ندوی کا یہ کہنا بجا ہے کہ ''مصر میں عربی زبان پر جو نئے انقلابات اور نئے خیالات، نئی چیزوں اور نئی باتوں کے لئے جو نئے نئے عربی لفظ بن گئے تھے یہاں مولانا کو ان کی واقفیت کا پورا موقع ملا اور غالباً ہندوستان کی عربی دنیا میں عربی کے نئے نئے الفاظ کی واقفیت کا پہلا براہ راست ذریعہ مولانا ہی کی ذات تھی۔مولانا نے اپنے سفرنامہ کے آخر میں بہت سے نئے الفاظ کی فہرست شامل کردی ہے''۴۲ اس فہرست کے کچھ الفاظ یہاں نقل کئے جارہے ہیں۔

تا کہ یہ پتہ لگ سکے کہ مولانا کے سامنے جدید عربی کے تقریباً دوسو الفاظ نقل کئے ہیں۔(۱) غاز (گیس) (۲) باریز (پیرس) (۳) امضاء (دستخط) (۴) انکلترا (انگلستان) (۵) امتیاز (لائسنس) (۶) اشتراک الجریدۃ (اخبار کی خریداری) (۷) براد (چائے دان) (۸) حوائج (میلے کپڑے) (۹) ربان (کپتان جہاز) (۱۰) ریش (نب) (۱۱) زنار (پیٹی) (۱۲) سکورۃ (بیمہ کرنا) (۱۳) صوت (ووٹ) (۱۴) ضریبۃ (ٹیکس) (۱۵) طسی (سینی) (۱۶) عمد (اخبار کا کالم) (۱۷) غسیل (کپڑے کی دھلائی) (۱۸) قائمۃ (فہرست کتب) (۱۹) کاک یا کعک (بسکٹ) (۲۰) مرکن (گلدان) (۲۱) مداسۃ (سلیپر) (۲۲) معاش (پنشن)

مذکورہ الفاظ سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ عربی زبان میں جونئی تبدیلیاں ہوئی تھیں مولانا اس سے بخوبی واقف تھے۔ یہ وہ الفاظ تھے جن سے ہندوستان مین شاید ہی کوئی اس وقت واقف رہا ہو۔ چناچہ مولانا ہی کی تحریک پر سید سلیمان ندوی کو مصر بھیجے جانے کی تجویز سامنے آئی کہ وہ وہاں جا کر جدید عربی زبان کی تعلیم حاصل کریں۔ مگر مصری حکومت کی بعض رکاوٹوں کی وجہ سے انہیں یہ موقع ہاتھ نہ آسکا۔[۴۳]

مولانا کی اسی کوشش اور تجویز کے مطابق[۴۴] سید سلیمان ندویؒ نے ''دروس الادب'' کے نام سے دو رسالے لکھے[۴۵]۔ اور اسی تجویز کے مطابق ندوہ کے ایک اجلاس میں یہ طے کیا گیا کہ جدید عربی کے الفاظ ولغات کی ایک ڈکشنری تیار کی جائے۔ یہ کام سید سلیمان ندوی کے سپرد کیا گیا۔ انہوں نے ۱۹۱۲ء میں[۴۶] ندوہ کے ایک اجلاس میں اسے ''لغات جدیدہ'' کے نام سے پیش کیا گیا جس کے صدر علامہ رشید رضا مصری تھے۔[۴۷]

اہم کتابوں کی تلاش، ان کا حصول اور ان کی خریداری مولانا کی ایک مہم تھی جس کا اندازہ مولانا کے متعدد خطوط اور کتابوں سے کیا جاسکتا ہے، بالخصوص مولانا نے اپنے سفرنامہ میں بھیاس کا ذخر کیا ہے۔ مولانا نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف سیرۃ النبی، تاریخ اسلام اور اسلامیات سے متعلق کتابوں اور مضامین میں ان بنیادی مآخذ اور مصادر کو استعمال کیا ہے جو اولین مراجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مراجع ومصادر میں زیادہ تر عربی کی امہات الکتب ہیں۔ یہاں ہم ان عربی مصادر و مآخذ کے سلسلے میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کریں گے۔

## علم کلام:

مولانا کی کتابوں میں ''علم کلام'' کو ایک بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ علم کلام کی جرورت مسلمانوں کو اس وقت شدت سے محسوس ہوئی جب دشمنان اسلام نے عقائد اسلام پر وار کئے، اسی لئے اس موضوع پر بے شمار قدیم لٹریچر موجود ہے۔ آج کے جدید دور میں بھی اسلام اور مسلمانوں کو مختلف فکری چیلنجوں کا سامنا ہے، اسی لئے مولانا نے علم کلام کو قدیم اصول اور موجودہ مذاق کے موافق مرتب کیا[۴۸]۔ علم کلام کے موضوع پر لکھنے کے لئے مولانا نے ان کتابوں سے مدد لی جو تحقیق وتنقید کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ پر فائز تھیں۔

مولانا نے اپنے کئی پیش لفظ میں اہم کتابوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بہت سی کتابوں کی خامیوں کو منظر

عام پر لانے کی بھی کوشش کی ہے، سب سے پہلے مولانا نے علامہ مرزبانی (۹۱۰۔۹۹۴ء) کی کتاب ''اخبار المتکلمین'' کی تعریف کی ہے۔۴۹ خود ابن ندیم نے انہیں مدحیہ الفاظ میں یاد کیا ہے۔۵۰ اس کے بعد مولانا نے سات اور کتابوں (۱) مقالات السلامین (امام ابوالحسن اشعری) (۲) ملل ونحل (ابوالمظفر طاہر بن محمد اسفرائنی) (۳) ملل ونحل (قاضی ابوبکر محمد بن الطیب باقلانی) (۴) ملل النحل (حضور عبداللہ القادر بن طاہر بغداوی) (۵) الفصل فی الملل والنحل (علامہ علی ابن احمد ابن حزم ظاہری) (۶) ملل النحل (امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی) (۷) ملل النحل (احمد بن یحٰی مرتضٰی زیدی) کا ذکر کیا ہے۔ ابن حزم، شہرستانی اور مرتضٰی زیدی کی کتابوں کے متعلق مولانا کا خیال ہے کہ ان میں مختلف فرقوں کے عقائد بیان کئے گئے ہیں۔ ملاحدہ اور فلاسفہ کے مقابلہ میں متکلمین نے جو کوششیں کی تھیں ان کا ان کتابوں سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے ان کتابوں کے علاوہ مولانا نے اس کتاب کی ترتیب میں اور بھی بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا۔ ان میں سے چند کے نام اس طرح ہیں۔ (۱) تاویلات القرآن (امام ابومنصور ماتریدی) (۲) امام غزالی کی درج ذیل کتابوں کو مولانا نے پیش نظر رکھا۔ (۱) تہافۃ الفلاسفہ (۲) التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ (۳) مشکوۃ الانوار (۴) المقصد الاقصیٰ (۵) المفنون علی غیر اہلہ (۶) المفنون علی اہلہ (۷) اقسطاس المستقیم (۸) الاقتصاد فی الاعتقاد (۹) معارج القدس (۱۰) جواہر القرآن (۱۱) الجام العوام (۱۲) منقذ من الضلال (۱۳) النفخ والتسویۃ (۳) امام رازی کی درج ذیل کتابیں بھی مولانا نے سامنے ہیں۔ (۱) مطالب عالیہ (۲) نہایۃ العقول (۳) اربعین فی اصول الدین (۴) مباحث مشرقیہ (۴) شیخ شہاب الدین مقتول کی دو کتابوں سے فائدہ اٹھایا (۱) حکمۃ الاشراق (۲) ہیاکل النور (۵) ابن تیمیہ کی بھی دو کتابوں سے مولانا مستفیذ ہوئے۔ (۱) الکلام علی المحصل (۲) رد منطق (۶) شرح مقاصد (علامہ تفتازانی) (۷) قاضی عضد و سید شریف کی بھی دو کتابیں مولانا کے پیش نظر ہیں۔ (۱) شرح مواقف (۲) صحائف (۸) کتاب الروح (ابن قیم) ۵۱۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن کا علم کلام کے موجوع پر صف اول میں شمار ہوتا ہے۔ اس موضوع پر ان کتابوں کے بغیر کام کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ مذکورہ بالا کتابوں پر نظر ڈالنے سے یہ چیز بخوبی منقح ہو جاتی ہے کہ اس موضوع سے متعلق عربی زبان میں موجودہ مواد میں سے مولانا نے ان چیزوں کو استعمال کیا ہے جو علمی اعتبار سے استناد کا درجہ رکھتی ہیں۔

## سیرۃ النعمان:

اس کے بعد ''سیرۃ النعمان'' کے آخذ کا ذکر کریں گے۔ مولانا نے پہلے ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جو عربی، فارسی اور ترکی میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن یہاں ہم صرف عربی کتب کا ذکر کریں گے جو درج ذیل ہیں۔ (۱) عقود الرجان (امام احمٰن بن طحاوی) (۲) قلائد عقود الدرر والعقیان (امام احمد بن محمد طحاوی) (۳) الروضۃ العالیہ المنیفہ (امام احمد بن محمد طحاوی) (۴) مناقب النعمانی (امام محام بن احمد بن شعیب) (۵) مناقب النعمان (شیخ ابوعبداللہ الصمیری حسین بن علی) (۶) مناقب النعمان (ابوالعباس احمد ابن الصلت الحمانی) (۷) شقائق النعمان فی مناقب النعمان (علامہ جاراللہ زمخشری) (۸) کشف الآثار (امام عبداللہ بن محمد الحارثی) (۹) مناقب النعمان (امام ظہیر الدین المرغینانی) (۱۰) مناقب النعمان (امام محمد بن الکروری) (۱۱) مناقب النعمان (ابوالقاسم بن

کاس) (۱۲) کتاب الانتہا فی مناقب الثلاثہ الفقہا (قاضی عبدالبر) (۱۳) مناقب النعمان (ابوالقاسم عبداللہ بن محمد احمد المعروف بابن ابی العوام علامہ ذہبی) (۱۴) المواہب الشریفہ بستان فی مناقب النعمان (شیخ محی الدین عبدالقادر القرشی) (۱۵) تبییض الصحفہ فی مناقب ابی حنیفہ (حافظ جلال الدین سیوطی) (۱۶) عقود الجمان فی مناقب النعمان (محمد یوسف بن علی الدمشقی) (۱۷) الخیرات الحسان فی مناقب النعمان (حافظ بن حجر مکی) (۱۸) قلاید عقود العقیان (مؤلف کا پتہ نہیں) (۱۹) رسالہ فی مفضل ابی حنیفہ (بن داؤد الیمانی) (۲۰) نظم الجمان (شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن دقماق) ۵۴

یہ تمام کتابیں تو مولانا کی دسترس سے باہر تھیں لیکن پیش لفظ میں ان کتابوں کے ذکر سے مولانا کے وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے کہ عربی مآخذ پر ہر آن ان کی نظر رہتی اور انہیں حاصل کرنے کی سعی بسیار کرتے۔

## المامون:

علامہ شبلی نیتاریخی اور سیرتی موضوعات پر اس وقت قلم اٹھایا تھا جبکہ اردو میں تاریخ اور سیرت کے خدوخال بہت واضح نہیں تھے۔ مذکورہ موضوعات کے قواعد وضوابط متعین نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت تک تاریخ نگاری اور سیرت نگاری کے نام پر دنیا بھی کے بے بنیاد قصے کہانیاں بیان کی جاتیں۔ ۵۵ علامہ نے ان موضوعات پر نہ صرف قلم اٹھایا بلکہ اُن کے حدود و قیود پر بھی اظہار خیال کیا۔ اسی لئے مہدی افادی نے آپ کو تاریخ کا ''معلم اول'' کہا ہے۔ ۵۶

اپنی تصنیف ''المامون'' میں مولانا نے تحقیق وتحلیل کا وہ طریقہ اپنایا کے کہ جس سے ایک مستند مرقع سامنے آسکے۔ آپ نے عربی کے بے شمار اور بکھرے ہوئے مآخذ میں سے مطلوبہ اشیاء کو جمع کر کے شیرازہ تیار کیا ہے۔ پیش لفظ میں آپ نے اس پر بھی اظہار تاسف کیا ہے کہ نوجوان نسل عربی زبان وادب سے عدم واقفیت کی بنا پر قومی تاریخ کے اصلی خزانے تک پہنچنے سے محروم رہی۔ آگے اس چیز کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ اردو کے بجائے ہماری قومی اور علمی زبان عربی اور فارسی کو ہونا چاہیے۔ ۵۷

مولانا نے پیش لفظ میں ان کتابوں کو ذکر کیا ہے کہ جو مآخذ کے طور پر استعمال کی گئی ہیں مثلاً تاریخ کبیر ابوجعفر ابن جریر طبری، مروج الذہب مسعودی مکامل ابن الاثیر جرزی، ابن خلدون ابوالفداء، دول الاسلام ذہبی، تاریخ الخلفاء، سیوطی، عیون و الحدائق، اخبار الدول قرمانی، اریخ ابن واضح کاتب عباسی، فتوح البلدان بلاذری، معارف ابن قتیبہ، اعلام الاعلام اور النجوم الزاہرہ۔

مولانا کا ان کتابوں کے متعلق خیال ہے کہ انہی کتابوں کے ذریعہ ماضی تک ہماری رسائی ممکن ہے لیکن کسی عہد کے طریق تمدن اور طرز معاشرت کو معلوم کرنا ہو تو یہ کام آسان نہ ہوگا۔ کیونکہ ''یہ واقعات بھی کچھ ایسے عامیانہ طریقے سے جمع کر دئے گئے ہیں کہ ان کے اسباب وعلل کا مرتب سلسلہ معلوم ہوتا ہے نہ ان سے کسی قسم کے دقیق تاریخی نتیجے مستنبط ہو سکتے ہیں۔'' ۵۸

## الفاروق:

الفاروق کی اہمیت وعظمت کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس کا حضرت عمرؓ کی خدمات پر مطالعہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ

اپنے موضوع پر بے مثال کتاب ہے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ اس میں بھی مولانا نے عربی کے بنیادی مآخذ ومصادر استعمال کیے ہیں۔ انہیں یہاں نقل کیا جارہا ہے تاکہ مولانا کی وسعت نظر اور عربی علوم وفنون پر گہری نظر کا اندازہ ہوسکے۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کی ''معارف'' سے مولانا نے استفادہ کیا اور اس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ اس میں بعض وہ مفید معلومات ہیں کہ جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتی۔ احمد بن داؤد ابوحنیفہ دینوری کی ''الاخبار الطوال'' محمد بن سعد کاتب الواقدی کی ''طبقات بن سعد'' جو بارہ جلدوں میں ہے، انہیں بھی علامہ نے قابل اعتبار قرار دیا ہے، احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی کی ''تاریخ یعقوبی'' بھی ایک مستند کتاب ہے۔ احمد بن یحیی البلاذری نے ''کتاب البلدان'' اور ''انساب الاشراف'' میں اپنی وسعت نظر، صحت روایت کا ثبوت دیا ہے۔ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری کی ''تاریخ الرسل والملوک'' ابوالحسن علی بن حسین مسعودی کی دو کتابیں ''مروج الذہب'' اور کتاب الاشراف والتنبیہ'' میں بھی کافی مواد موجود ہے، متاخرین کے لوگوں میں علامہ نے ابن الاثیر، سمعانی، ذہبی، ابوالفداء، نویری، سیوطی اور مقریزی کے نام لئے ہیں اور ان کی کتب سے استفادہ کیا ہے لیکن ان کتابوں کے متعلق مولانا کا خیال یہ ہے کہ ان میں متقدمین کے خیالات کو دہرایا گیا ہے۔ تنہا ابن خدون نے اپنی ایک نئی راہ اختیار کی۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ الفاروق کی ترتیب میں الاحکام السلطانیہ، مقدمہ ابن خلدون، کتاب الخراج، اخبار القضاۃ، کتاب الاوائل، محاسن الوسائل الی اخبار الاوائل، عقد الفرید، البیان والتبیین، کتاب العمدۃ، سیرۃ العمرین اور ازالۃ الخفاء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

علامہ نے اپنے پیش لفظ میں ریاض النضرۃ، حلیۃ الاولیاء اور کنز العمال پر نقد کیا ہے کہ ان کتابوں میں روایتوں کو بالکل نظر انداز کردیا ہے۔ ۵۹۔ مولانا نے اپنی اس کتاب میں ان عربی مآخذ کو استعمال کیا جو قابل استناد تھے۔ مذکورہ مآخذ سے مولانا کی ذکاوت وفطانت اور فکر انگیزی کا پتہ کیا جاسکتا ہے۔

## الغزالی:

اردو میں امام غزالی پر اب تک بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، لیکن ان میں سے کسی کام کو علامہ شبلی کی ''الغزالی'' کے روبرو نہیں پیش کیا جاسکتا، یہ کتاب اردو میں مصدر ومرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب میں مولانا نے ایک طرف خود غزالی کی تصانیف سے کام لیا ہے اور دوسری طرف سے علامہ ابن عساکر دمشقی محدث کی تصنیف ''تبیین کذب المفتری فیما نسب الی ابی الحسن الاشعری'' علامہ ابن السبکی کی تصنیف ''طبوات الشافعیہ'' اور تیسری کتاب پروفیسر مونک کی ''الربط بین فلسفہ الیہود والاسلام'' سے استفادہ کیا ہے ۵۸۔ یہ تینوں کتابیں اپنے موضوع پر معیاری کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور انہی کی روشنی میں کوئی رائے قائم کی جائے۔

## سیرۃ النبی:

دنیا کی مختلف زبانوں کی طرح اردو میں بھی سیرت پاک پر معیاری اور غیر معیاری لٹریچر کا انبار ہے، لیکن علامہ کی سیرت النبی سیرت پاک پر ایک ایسا گلدستہ ہے کہ جس کی ظاہری اور معنوی حیثیت دونوں ہی اہل علم کے نزدیک مسلم الثبوت ہے۔ مولانا نے اس کتاب میں سیرت پاک سے متعلق انہی واقعات کو لیا ہے جو ہر اعتبار سے تحقیق کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔ اس کتاب کی تکمیل و تشکیل میں عربی کے ان مآخذ کو استعمال کیا ہے جو ہر پہلو سے مستند تھے اور ساتھ ہی ساتھ علامہ نے قابل تنقید مآخذ پر بھی بحث کی ہے۔ یہاں پر ان کتابوں کا ذکر کیا جائے گا جن سے مولانا نے اس موضوع سے متعلق مدد لی ہے۔ (۱) ملل ونحل (۲) طبقات الامم (۳) معجم البلدان (۴) کتاب النسب (۵) فتوح البلدان (۶) تاریخ مکہ (۷) اعلام (۸) تاریخ طبری (۹) طبقات ابن سعد (۱۰) امالی ابوعلی قالی (۱۱) سیرۃ ابن ہشام (۱۲) زاد المعاد (۱۳) ابن الاثیر (۱۴) زرقانی (۱۵) اصابہ فی احوال الصحابہ (۱۶) میزان الاعتدال (۱۷) نور النبراس فی شرح ابن سید الناس (۱۸) اللآلی المصنوعہ (۱۹) خصائص کبری سیوطی (۲۰) ریاض النضرۃ (۲۱) روضۃ الاتف (۲۲) انساب الاشراف (۲۳) اپالوجی گاؤ فری میگنس (۲۴) مواہب لدنیہ (۲۵) وفاء الوفاء (۲۶) البدایہ والنہایہ (۲۷) مجمع الامثال (۲۸) کتاب المغازی واقدی (۲۹) تاریخ کامل ابن اثیر (۳۰) ابن خلدون (۳۱) ابوالفداء (۳۲) المختصر فی سیرۃ سید البشر (۳۳) سیرت مغلطائی (۳۴) سیرت کازرونی (۳۵) سیرت مغلطائی (۳۶) سیرت ابن ابی طے (۳۷) سیرت مغلطائی (۳۸) عیون الاثر (۳۹) تہذیب الکمال (۴۰) زرقانی علی المواہب (۴۱) سیرت حلبی (۴۲) تہذیب التہذیب (۴۳) لسان المیزان (۴۴) تقریب (۴۵) تاریخ کبیر بخاری (۴۶) تاریخ صغیر بخاری (۴۷) ثقات ابن حیان (۴۸) تذکرہ الحفاظ (۴۹) مشتبہ (۵۰) انساب سمعانی (۵۱) تہذیب الاسماء (۵۲) موضوعات کبیر (۵۳) سیرت ابن اسحاق (۵۴) تذکرہ الحفاظ (۵۵ کشف الظنون (۵۶) کتاب السیدہ۔۵۹

مذکورہ مآخذ کے بغیر سیرت پاک کا تحقیقی مطالعہ ممکن ہی نہیں اور انہی مصاور کے ذریعہ سرور کائنات سے متعلق لغو اور نا قابل اعتبار واقعات کو پہچانا جاسکتا ہے۔ علامہ کی مختلف کتابوں میں استعمال ہونے والے مآخذ و مصادر کی روشنی میں یہ بات بغیر کسی تامل کے ہی جاسکتی ہے کہ عربی کے تمام بنیادی مآخذ پر علامہ کی بڑی وسیع نظر تھی۔۶۰

## ادب:

یہاں یہ بات بھی لائق ذکر ہے کہ علامہ نے اپنے مقالات میں عربی زبان و ادب کے متعلق مختلف پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا ہے۔ جلد دوم کے ادبی موضوعات اس طرح ہیں۔

مولانا کا ایک مقالہ ''عربی زبان'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ عربی زبان سریانی اور عبرانی سے قدیم ہے۔ مولانا نے اس کے پانچ اسباب بیان کئے ہیں اور ایک مستحکم دلیل یہ دی ہے کہ عبرانی زبان کی سب سے قدیم کتاب ''صفر ایوب'' تسلیم کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں کثرت سے عربی الفاظ موجود ہیں۔ اس سے یہ امر طے شدہ ہے کہ عربی زبان عبرانی سے پہلے موجود تھی۔۶۱

مولانا کا ایک مضمون ''فن بلاغت'' ہے۔جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ فن بلاغت کے مسلمان خود موجد ہیں۔ وہ ارسطو کے خوشہ چیں نہیں ہیں۔لوگوں کا ذہن اس طرف اس لئے گیا کہ ارسطو کی کتاب ''ریطوریقا'' کو ان لوگوں نے فن بلاغت کی کتاب سمجھ لیا جبکہ اس میں تو ادخطابت بتائے گئے ہیں۔اسی میں مولانا نے یہ بھی بتایا کہ بلاغت کے موضوع پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب عبدالقاہر الجرجانی کی ''دلائل الاعجاز'' ہے۔۶۲

مولانا کا تیسرا مقالہ اس جلد میں ''نظم القرآن وجمہرۃ البلاغۃ'' کے عنوان سے ہے۔اس مضمون میں مولانا حمید الدین فراہی کی دو کتابوں 'تفسیر نظام القرآن'' اور ''جمہرۃ البلاغۃ'' کا تعارف کراتے ہوئے یہ واضح کیا کہ ''نظم القرآن'' کے سلسلے میں مولانا فراہی کا خیال ہے کہ قرآن کی تمام آیات وسور باہم مربوط ومنظوم ہیں۔اگر کسی آیت کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دیا جائے تو پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

نظم قرآن پر بحث کرنے کی وجہ سے مولانا کو یہ ضرورت پیش آئی کہ قرآن کی فصاحت وبلاغت پر بھی اظہار خیال کیا جائے۔چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر مولانا فراہی نے ''جمہرۃ البلاغۃ'' تصنیف کی۔اس کتاب میں قرآن کریم کی غیر معمولی فصاحت وبلاغت کا اشارہ کرتے ہوئے۔قرآن کریم ہی کی روشنی میں اس کے اصول وضوابط متعین کئے ہیں اور ساتھ ہی ارسطو کے نظریہ بلاغت پر تنقید بھی کی ہے۔علامہ نے اس مضمون میں اس کتاب کا کچھ حصہ اردو میں پیش بھی کیا ہے۔۶۳

مولانا کا ایک ادبی مضمون 'سعر العرب'' کے موضوع ہے،اس میں ابن رشیق (۱۰۰۰۔۱۰۷۱ء) کی کتاب ''العمدۃ'' پر اظہار خیال کیا گیا ہے میں عربی شاعری اور اس کے اصول وضوابط سے بحث کی گئی ہے۔عربوں کا تمدن بہت قدیم ہے لیکن شاعری کی ابتداء کا پتہ اسلام سے دسوڈیڑھ سو سال قبل ہی معلوم ہوا۔عربی کا سب سے پہلا قصیدہ گو شاعر مہلہل بن ربیعہ ہے۔امرء القیس آنحضور ﷺ سے تقریباً ۴۰ برس پہلے کا تھا۔اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا کہ عربوں میں شاعری کا آغاز شریفانہ اور مردانہ ضربات سے ہوا اور مداحی کو ہمیشہ ذلیل نظروں سے دیکھا گیا۔اس کی بہت سی مثالیں پیش کی گئی ہیں چنانچہ نابغہ ذبیانی نے جب سلاطین کی مداحی شروع کی تو اس کی وجہ سے تمام عرب اسے ذلیل سمجھنے لگے۔

اس کتاب میں جاہلی،مخضرمی،اسلامی اور محدث شعراء پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔اور اس میں شاعری کے چار ارکان مدح،ذم،عشقیہ اور فخریہ پر بڑے خوبصورت انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔۶۴

عربی ادب ہی سے متعلق علامہ کا ایک مقالہ 'عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ'' کے عنوان سے ہے،اس میں علامہ نے فارسی اور عربی شاعری کا موانی کیا ہے اور بتایا کہ فارسی شاعری عربی شاعری کی دست پرور اور سایہ ہے لیکن معاشرتی اور مقامی حالات کی وجہ سے دونوں میں کافی فرق آچکا ہے۔

رزمیہ شاعری کے متعلق علامہ کا خیال ہے کہ فارسی میں شعراء بڑے بڑے معرکوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن وہ دوسروں کی داستان ہوتی ہے،عرب شعراء خود بہادر اور جنگ جو تھے وہ وہی کہتے جو ان پر گزرتی،عرب کے شعراء نہایت جرأت مندانہ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے،لیکن فارسی شعراء میں یہ صفات موجود تھیں کہ بے خوف وخطر اپنے نظریات کو پیش کرتے۔عرب شعراء

اپنے کارناموں کو نہایت فخریہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اسکے برعکس فارسی شعراء صرف خود کو اقلیم سخن کا بادشاہ قرار دینے میں سارا زور صرف کرتے۔ اسی طرح مناظر قدرت کی تصویر کسی میں جو قدرت وملکہ عرب شعراء کو حاصل ہے وہ فارس کے شعراء کو نہیں۔ باغ وبہار کے مضامین اریانی شعراء کے یہاں کثرت سے ہیں۔ عرب اس میں ان سے بہت پیچھے ہیں۔ یہ بھی عربوں کی واقعیت پسندی کی دلیل ہے، وہ وہی کہتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں۔ مراثی میں بھی فارسی شعراء عرب کے مقابلے میں بہت پیچھے ہیں۔ کیونکہ ان کے مراثی قصائد کی صورت اختیار کر لیتے ہین اور عربوں کے یہاں سچے جذبات کی ترجمانی ہے۔ ایرانی شعراء سے عرب شعراء اس لئے بھی ممتاز ہیں کہ ان کے یہاں طرز معاشرت اور خانگی زندگی کی پوری پوری عکاسی موجود ہے۔ رعب کا معشوق بھی اریان سے جدا ہے کیونکہ وہ صنف نازک کے علاوہ مرد کو بھی معشوق قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ایرانی شاعری پر برے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

فارسی شاعری کے اندر بہت سے ایسی خصوصیات ہیں جن سے عربی شاعری محروم ہے۔ مثلاً مثنوی کا کوئی بدل عربی میں نہیں ہے۔ فارسی شعراء ناصر، خسرو، عمر خیام، سحابی بخشی، مولانا روم اور عرفی وغیرہ نے جن فلسفیانہ مسائل کو اٹھایا ہے ان سے بھی عربی شاعری کا دامن خالی ہے۔ اسی طرح عربی شاعری میں مسائل اخلاق، تصوف اور تنوع خیالات کی بھی کمی ہے۔ ''غزل کو فارسی نے جن بلندیوں پر لا کھڑا کیا عربی شاعری کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔[۶۴]

## عربی کتب:

مقالات شبلی کی چوتھی جلد میں بہت سی عربی کتابوں پر مفید تبصرے ہیں جن سے کتابوں کی قدر و قیمت منظر عام پر آتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ علامہ کی عربی علوم وفنون پر کس قدر گہری نظر تھی وار عربی کی امہات الکتب کی خصوصیات سے وہ بخوبی واقف تھے۔

''طبقات ابن سعد'' کا جرمن سے چھپا ہوا ایک نسخہ جب علامہ کے ایک انگریز دوست نے انہیں ہدیہ بھیجا تو اس پر ایک چھوٹا سا تبصرہ لکھا۔ اس میں ابن سعد نے آنحضور ﷺ کے عہد سے لے کر اپنے عہد تک کے لوگوں کے تراجم اور حالات لکھے ہیں۔ اس کے متعلق علامہ رقمطراز ہیں ''ہمیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ صحابہ کے حالات میں متاخرین محدثین نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں مثلاً استیعاب، اصابہ، اسد الغابہ، لیکن ابن سعد کی کتاب میں جو تفصیل اور جامعیت ہے ان کتابوں کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔[۶۵]

دوسری کتاب ''مناقب عمر بن عبدالعزیز'' ہے۔ اس کے متعلق مولانا کا خیال ہے کہ مصنف ابن جوزی نے اس میں صرف اپنے ہیرو کی خوبیاں بیان کی ہیں، تنقیدی پہلو سے ان حدیثوں کی صحت سے انکار کیا ہے جن کو لوگ مانتے چلے آرہے تھے۔ اس کے بعد علامہ نے کتاب میں موجودہ بہت سے واقعات اس تبصرہ میں شامل کیا ہے۔[۶۶]

تیسری صدی ہجری کی کتاب ''بلاغت النساء'' پر بھی علامہ نے اظہار خیال کیا ہے، اس کے مصنف احمد بن ابی طاہر بغدادی ہیں، یہ ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ بلاغت النساء میں عورتوں کے خطبے اور تقاریر جمع کی گئی ہیں۔ علامہ کا خیال ہے کہ اس میں کچھ خطبوں کی نسبتوں کے سلسلے میں یقین نہیں آتا۔ مثلاً حضرت فاطمہ اور حضرت حفصہ کی جانب جو خطبے منسوب ہیں وہ زبان وبیان اور الفاظ وخیالات کے لحاظ سے ان کے نہیں ہو سکتے۔[۶۷]

علامہ ابن مسکویہ کی مشہور زمانہ کتاب ''تجارب الامم'' پر بھی علامہ نے اظہار خیال کیا ہے، یہ کتاب ۱۹۰۹ء میں بمقام لندن شائع ہوئی۔ ابن مسکویہ فلسفی اور حکیم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست مورخ بھی تھا۔ اس نے اس کتاب کے دیباچہ میں فن تاریخ سے بحث کی ہے، اور واقعات کا نہایت غور سے مطالعہ کیا ہے اور ان کی جزئیات کا استقصاء کرتے ہوئے بتایا کہ تاریخ میں اس قدر دور از کار واقعات کی بھرمار ہے کہ اصل واقعات سے استفادہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ایران کی تاریخ میں خود ساختہ واقعات کی کثرت ہے۔ اس کتاب کا ایک نقص یہ ہے کہ اس میں حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے واقعات نہایت نامتمام اور جستہ جستہ ہیں۔ ۶۸

ابن حزم ظاہری کی کتاب ''الملل والنحل'' منفرد نوعیت کی حامل ہے۔ اس میں مصنف نے فلاسفہ، ملاحدہ، مادیین، یہود، نصاریٰ اور بہت سے دیگر اہل مذہب کے عقائد و خیالات سے بحث کی ہے اور انکی تردید کی ہے، رد کے موضوع پر علماء اسلام کی بہت سی کتابیں ہیں لیکن دوسروں کے عدائد و خیالات کے سلسلے میں جس تحقیق کا ثبوت یہاں ہے وہ اور کتابوں میں نہیں۔ تورات اور انجیل کے محرف ہونے پر جو بحث اس میں ہے وہ معرکۃ آراء ہے، غیر مذاہب کے ابطال کے بعد اسلامی عقائد سے بحث کی گئی ہے اور ہر فرقہ کے ان مسائل کا رد کیا جو ان کے نزدیک غلط اور باطل ہیں۔ علامہ نے اس تبصرہ میں اسامی عقائد سے متعلق موضوع سے بحث کی ہے۔ ۶۹

تفسیر کبیر امام رازی پر بھی مولانا نے اپنے خیالات پیش کئے ہیں اور بتایا کہ امام صاحب اس تفسیر کو پورا نہیں کر سکے تھے، بعد میں ایک دوسرے صاحب نیا سے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ اسکے متعلق کشف الظنون میں ہے کہ اس کی تکمیل شیخ نجم الدین احمد بن القوافی (المتوفی ۷۷۷ھ اور قاضی القضاۃ شہاب الدین خلیل الخوئی الدمشقی (م ۶۳۹ھ) نے کی۔ لیکن یہ بات محقق کو معلوم نہیں کہ اصل تفسیر کہاں تک ہے اور کہاں سے تکملہ شروع ہوا ہے۔ مولانا کا خیال ہے کہ سورۃ فتح کی تفسیر کا لکھا جانا امام صاحب کی جانب سے یقینی ہے کہ ۶۰۳ھ میں تمام ہوئی۔ آپ کی عادت میں یہ چیز شامل تھی کہ ہر سورہ کی تفسیر لکھنے کے بعد اس کے نیچے تاریخ دیے دیتے۔ سورہ فتح کی تفسیر کے بعد کسی تفسیر کے نیچے یہ تصریح نہیں ہے۔ اس لئے یہ ثابت ہے کہ سورہ فتح کے بعد کی تفسیر تکملہ نگاروں کی ہے۔ یعنی آٹھ جلدوں میں سات جلدیں امام صاحب کی ہیں۔

علامی نے اس تفسیر کی روزانہ تصنیف کی مقدار، مفسرین کی آراء اور اس کے مآخذ سے بحث کی ہے۔ ۷۰

طب سے متعلق ہارون بن حکیم موفق الدولہ بن ابی الحسن الحلبی کی کتاب ''کتاب الکافی فی الکحل' کا مولانا نے اچھا تعارف کرایا ہے، مصنف نے کتاب کے دیباچہ میں آنکھ ہی سے متعلق اٹھارہ کتب کا ذکر کیا ہے۔ اس میں آنکھ کی تشریح سے متعلق جو آلات ایجاد ہو چکے تھے، ان کی تصاویر کے ساتھ ان کے طریقۂ عمل بھی بتاتے ہیں۔ ۷۱

''السفر الی المؤتمر'' یورپ کا ایک سفرنامہ ہے جسے احمد زکی آفندی ترتیب دیا ہے۔ آپ خدیو کے سفیر کی حیثیت سے ۱۸۹۲ء میں یورپ کی مشرقی کانفرنس میں شریک ہوئے جو لندن میں منعقد ہوئی تھی۔ وہاں سے اپنے دوستوں کو وقتاً فوقتاً سفر کے حالات لکھے اور واپس آکر اسے ترتیب دے کر شائع کیا۔ مولانا نے اس مضمون میں سفرنامہ کی مختلف خصوصیات بیان کی ہیں۔ مصنف کی ایک خوبی یہ ہے کہ یورپ کے ملکوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ اسامی معلومات کے دلچسپ نکتے بھی منظر عام پر لاتے

ہیں، مصنف نے لندن کے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، پیرس کا بھی بڑی دلچسپی سے ذکر کیا ہے۔ اور اسے عظمت وشان کی تصویر اور نزاکت ولطافت کا پیکر بتایا ہے اور یہ بھی واضح کیا کہ وہ بہشتوں کی بہشت ہے۔ نہیں بلکہ وہ پیرس ہے۔ اس نے پیرس کی مختلف چیزوں کا تعارف بھی کرایا ہے۔۲ے

''ہومر کے الیڈ کا عربی ترجمہ'' پر مولانا نے تبصرہ کر کے اس کی خوبیوں کو اجاگر کیا۔ مترجم پروفیسر سلیمان بستانی (۱۸۵۶۔۱۹۲۵ء) کو اس ترجمہ پر مبارکباد دی ہے۔ ترجمہ کے علاوہ انہوں نے اس پر دوسو صفحے کا دیباچہ لکھا اور اس میں ہومر کے حالات اور اس پر تبصرہ کے ساتھ عرب کی شاعری پر نہایت تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا۔ حواشی میں ہومر کے کلام کی بلاغت کا ایک ایک اسلوب بتایا اور اکثر مقالات پر عرب کے اشعار نقل کر کے دونوں کا موازنہ کیا۔ اس موازنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دونوں کے خیالات کس قدر باہم مشترک اور ہم آہنگ ہیں اور عنترہ کا کالم پڑھ کر یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ وہ ہومر کو سامنے رکھ کر طبع آزمائی کرتا تھا۔۳ے

## شخصیات:

علامہ نے عربی زبان وادب کی چند اہم شخصیات پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان کے سوانحی حالات وکوائف سے زیادہ ان کے کاموں کا جائزہ لینے کی بہترین کوشش کی ہے۔ اسلامیات کی آبرو اور عربی زبان وادب کا نشان امتیاز ابن رشد پر علامہ نے اپنے افکار پیش کئے یہ آفتاب وماہتاب ۱۱۲۶ء میں سرزمین اندلس میں طلوع ہوا اور پانی حد درجہ فقیہانہ بصیرت کی بنا پر قرطبہ کا انہیں قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا اس وقت اندلس میں فلسفہ بڑا غلبہ تھا جس کی وجہ سے اس کے اندر فلسفہ سے دلچسپی پیدا ہوئی، دوسرے اس کا خاندان علم فقہ کا امام تسلیم کیا جاتا رہا تھا اس لئے ابن رشد نے بھی اس روایت کو باقی رکھا۔ فلسفہ کے سلسلے میں اس کا اہم کارنامہ تصنیفات ارسطو کی شرح ہے۔ اسے اپنے فلسفیانہ افکار کی بنا پر جلاوطنی کا سامنا کرنا پڑا اور عوام اس سے اس قدر برافروختہ تھے کہ ایک بار وہ مسجد قرطبہ میں نماز پڑھنے کے لئے گیا تو اسے باہر نکال دیا گیا۔

علامہ نے ابن رشد کے اخلاق سے بحث کرتے ہوئے بتایا کہ اس کے عادات حکیمانہ تھے، وہ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھا، وطن کا متوالا تھا۔ اس کے بعد اس کی تصنیفات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس کی کتابوں کے صفحات بیس ہزار ہیں۔ اس نے فقہ، طب اور فلسفہ میں خصوصی اضافے کئے ہیں۔ یہاں پر فقہ کی تین، اصول فقہ کی دو، طب کی چار اور فلسفہ وکلام کی تیس کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

یورپ میں ایک طرف ابن رشد کے فلسفیانہ افکار کی اشاعت ہوئی اور اسی بناء پر فلسفہ سے متعلق کتابوں کی وہاں طباعت بھی عمل میں آئی۔ چودھویں صدی کے آغاز تک ابن رشد کا فلسفہ تمام یہود میں پھیل گیا، یورپ کے اندر ابن رشد کے فلسفیانہ افکار کے موافقین اور مخالفین دونوں پیدا ہو گئے۔ لیکن خالصۃً علمی حلقہ میں اسے پذیرائی ملی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ نیڈوا یونیورسٹی میں اس کی کتابیں نصاب میں داخل کی گئیں۔ سولہویں صدی میں چرچ نے اعلانیہ ابن رشد کی حمایت شروع کی جس کی وجہ سے ابن رشد کی

تصنیفات اور تراجم کے مطالعے بڑھنے لگے۔ یہ عظیم فلسفی، نامور فقیہہ، تصنیفات ارسطو کا شارح اور فن طب کا ماہر ۱۱۹۸ء میں بمقام مراکش اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ اور یہیں اس کی تدفین عمل میں آئی لیکن ایک ماہ بعد اس کے مداحین نے قبر کھود کر ہڈیاں نکالیں اور قرطبہ لے جاکر دفن کیا۔۴؎

علامہ شبلی نعمانی نے ابن تیمیہ کے سوانحی حالات اور ان کی علمی اور دینی خدمات پر نہایت اختصار کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ۶۶۱ھ میں بمقام حران پیدا ہوئے، آپ نے دینی علوم وفنون میں غیر معمولی خدمات انجام دیں اور انہیں خدمات کی وجہ سے آپ کو مجدد کہا جاتا ہے۔ مجددین میں بہت سے لوگوں کو شامل کر دیا گیا ہے۔ لیکن مولانا شبلی کا کہنا ہے کہ ''لیکن جو شخص رفارمر کا اصلی مصداق ہوسکتا ہے وہ علامہ ابن تیمیہ ہے۔ ہم اس بات سے واقف ہیں کہ بہت سے امور میں امام غزالی وغیرہ کو ابن تیمیہ پر ترجیح ہے لیکن وہ امور مجددیت کے دائرے سے باہر ہیں۔ مجدد کی اصل خصوصیتیں جس قدر علامہ کی ذات میں پائی جاتی ہیں اس کی نظیر بہت کم مل سکی ہے۔''

معاصرین علماء علامہ کے علمی وقار کے حاسد بن گئے اور اسی وجہ سے انہیں جیل کی سزا کاٹنی پڑی اور ڈیڑھ برس کے بعد رہا ہوکر درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ بیس برس بعد علامہ نے پھر ایک فتویٰ دیا کہ صرف زیارت کے نقطہ نظر سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا شرعاً ثابت نہیں۔ چنانچہ اس کی وجہ سے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی سب آپ کے مخالف ہوگئے اور قید کرنے کا فتویٰ دیا۔ ۷۲۶ھ میں انہیں پھر جیل کی سلاخوں کے سپرد کر دیا گیا اور قید ہی میں ۷۲۷ھ میں یہ علم کی شمع ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔۵؎

علامہ نے متنبی کی شخصیت اور شاعری کو بھی موضوع بحث بنایا متنبی چوتھی صدی کا شاعر ہے لیکن بچپن صحرائے عرب اور بدویوں میں گزرانے کی وجہ سے عربوں کے بہت سے صفات اس کے اندر موجود تھے۔ اس کی طبیعت میں مضمون آفینی اور نازک خیالی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ خود کو عرب شعراء میں ممتاز تصور کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا اور قرآن کے جواب میں اس نے ایک کتاب بھی لکھی۔ متنبی کو مداحی سے سخت نفرت تھی وہ آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے دور کے اکثر امراء سے ناراض تھا۔ لیکن ہجوانہی کی لکھتا جو ہجو کے لائق ہوتے۔ وہ بادشاہوں کی مدح کرنے سے گریز کرتا، وہ نہایت بے باک اور بہادر تھا۔ ایک مرتبہ ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کیا تو وہ ان سے مستقل لڑتا رہا۔ ڈاکوؤں کی تعداد ساٹھ ستر کے قریب تھی، چنانچہ شکست کھا کر متنبی بھاگنے لگا تو اس کے غلام نے کہا کہ آپ کا وہ شعر کیا ہوا۔

الخیل والیل والبیداء تعرفنی والحرب والضرب والقرطاس والقلم

(مجھے گھوڑے، راتیں، صحرا، جنگ وجدل اور کاغذ قلم سب بخوبی پہچانتے ہیں)

یہ سنتے ہی اسکی غیرت جاگی، چنانچہ پلٹا اور لڑتے لڑتے جان دے دی۔۶؎

علامہ نے مولوی غلام علی آزاد بلگرامی کی زندگی اور ان کی تصنیفات پر اپنے خیالات پیش کئے۔ مولوی غلام علی آزاد بلگای ۱۱۶ھ میں بلگرام کے مقام پر پیدا ہوئے۔ علامہ نے آگے اسی مضمون میں بلگرامی صاحب کے استاذہ، سندھ اور بھوپال کے قیام اور سفر حج کا ذکر کیا ہے۔

تصنیفات کے متعلق علامہ کا خیال ہے کہ ان کی تصانیف ہندوستان میں اپنی قسم کی پہلی تصانیف ہیں۔ تصانیف کچھ اس طرح ہیں۔ سرور آزاد، ید بیضا، مآثر الکرام، خزانہ عامرہ اور روضۃ الاولیاء۔ ان تمام کتابوں میں مختلف حلقے سے متعلق لوگوں کے تذکرے ہیں۔ ایک کتاب ''سند السعادات فی حسن خاتمۃ السادات'' ہے۔ ان کے علاوہ دو دیوان ایک عربی اور دوسرا فارسی میں ہے۔ انہوں نے بخاری کے چند ابواب کی شرح بھی لکھی ہے۔

وہ عربی اور فارسی کے علاوہ ہندی بھی بخوبی جانتے تھے، ہندی کے بحور وقوافی کا عربی سے موازنہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عربی اور فارسی کی بحریں اکثر ہندی بحروں سے مختلف ہیں۔ علامہ نے آزاد کے علمی کاموں کو قدر کی نظروں سے دیکھا ہے۔ ۷ے

علامہ نے مصری ادیب، فلسفی اور اسلامیات کے ماہر فرید وجدی بک پر اس وقت اظہار خیال کیا جب ہندوستان میں اس عظیم شخصیت کو لوگ جانتے بھی نہیں تھے۔ فرید وجدی جدید تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود انہیں ساری خوبیاں دامن اسلام میں نظر آتی ہیں۔ آپ ۱۸۷۵ء میں بمقام اسکندریہ پیدا ہوئے۔ اپنے تعلیمی مراحل کی تکمیل کے دوران فلسفہ پر خصوصی توجہ مرکوز کی اور ۱۸۹۸ء میں مذہب اور تمدن کی مطابقت پر ایک کتاب ''تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ علی نوامیس الطبعیہ'' کے عنوان سے لکھی۔ انہوں نے ''الحیاۃ'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جس میں اکثر فلسفیانہ مضامین ہوتے۔ اس کے بعد مصر کی سیاسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے ایک روزانہ پرچہ ''دستور'' نکالا، انہوں نے درج ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

(۱) تطبیق (۲) الفلسفۃ الحقہ فی بدائع الاکوان (۳) الحدیقۃ الفکریہ (۴) المرأۃ المسلمہ (۵) الاسلام فی عصر العلم (۶) صفوۃ الفرقان فی تسیر القرآن (۷) سفیر الاسلام الی سائر الاقوام (۸) کنز العلوم واللغۃ ۸ے

## علامہ کی عربی تصانیف:

مضمون کے آخر میں مولانا کی پانچ عربی کتب کا ذکر کیا جائے گا۔ یہ کتابیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ علامہ نے صرف عربی علوم وفنون کے ماہر تھے بلکہ وہ عربی لکھنے اور بولنے پر بھی پوری قدرت رکھتے تھے۔ ان کی عربی تحریریں جب عرب دنیا کے سامنے آئیں تو اسے ان لوگوں نے باعزت نظروں سے دیکھا۔

## الانتقاد علی التمدن الاسلامی:

مجلّہ ''الہلال'' کے ایڈیٹر جرجی زیدان کی مشہور تالیف ''تاریخ التمدن الاسلامی'' جب منظر عام پر آئی تو علامہ نے دیکھنے کے بعد کہا کہ اس میں در پردہ مسلمانوں پر سخت حملے کئے گئے ہیں، اس کتاب کی شہرت میں اس قدر اضافہ ہوا کہ اسے فاضل کے امتحان میں داخل کرنے پر غور کیا جانے لگا اور اسی دوران ٹائمس نے جرجی زیدان کے حوالہ سے لکھا کہ جدید دلائل سے یہ ثابت کای گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کا کتب خانہ اسکندریہ کا جلایا جانا ثابت ہے، ان چیزوں کی وجہ سے عدم الفرصت ہونے کے باوجود علامہ نے اس کا جواب لکھنا شروع کیا ۹ے۔ پہلے یہ کتاب نہایت علمی انداز میں عربی میں لکھی گئی اور قسط وار مصر کے مشہور ومعروف مجلّہ ''المنار''

میں شائع ہوئی۔ اور اس کے بعد علامہ نے اسے خود اردو میں منتقل کیا جو مجلّہ ''الندوہ'' میں شائع ہوئی۔

علامہ نے اس کتاب کے مصنف کے متعلق بتایا کہ اس نے یہ کتاب درج ذیل مقاصد کے تحت لکھی۔ ایک تو عرب کی تحقیر اور ان کی مذمت، دوسرے خلفاء بنوامیہ اور عباسیہ کے متعلق ثابت کیا کہ وہ مذہب کی توہین کرتے تھے اور تیسرے مسلمانوں پر عام اعتراضات، اپنی باتوں کے لئے جو طریقے اختیار کئے اسکے متعلق علامہ کا خیال ہے کہ صریح کذب و دروروایات کی نقل میں خیانت اور تحریف، واقعات میں ایسے الٹ پھیر کہ اس کی اصل ہیئت برقرار رہے اور غلط اشتباہ اور استدلال۔ ۸۰

اپنی کتاب میں جگہ جگہ بنی امیہ کو مورد الزام ٹھہرانے کی بے انتہا کوشش کی ہے، ان اعمال کے متعلق ان کا خیال ہے کہ زمینداروں سے مال غزاری وغیرہ وصول کرنے میں ظلم کرتے تھے ۸۱۔ اور وہ مفتوحہ قوموں کے مال وغیرہ کو چھین لینے کو برا نہیں سمجھتے تھے ۸۲ خلفاء بنی امیہ قرآن کریم کی بے حرمتی اور حرمین کی توہین کرتے تھے ۸۳۔ اسی طرح عربوں کے متعلق جرجی زیدان کا کہنا کہ وہ نومسلموں کو حقیر سمجھتے تھے، ان کے پیچھے نماز پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ نیز خلفاء کعبہ اور شعائر اسلام کی مذمت بیان کرتے تھے ۸۴۔ خلفاء بنی امیہ کے علاوہ اپنے مدوحین خلفا بنی عباس کو بھی نہیں بخشا۔ کیونکہ اس کا خیال ہے کہ ''عرب کے سامنے روٹی کا ٹکڑا ڈال دو پھر اسے سر پر مارو۔ ۸۵۔

اس کتاب میں علامہ نے متعدد مثالوں کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ مصنف حد درجہ متعصب اور علمی بد دیانتوں کا علمبردار ہے۔ علامہ نے اس کتاب میں اس کے غلط حوالوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب کذب و دروغ گوئی کا پلندہ ہے۔ ۸۶

## الجزیہ:

عربی زبان میں علامہ کی ایک دوسری کتاب ''الجزیہ'' کے عنوان سے ہے۔ اس کے آغاز میں علامہ کہتے ہیں کہ مستشرقین کیرائے ہے کہ لفظ جزیہ کا موجد اسلام ہے۔ اسی نے پہلی بار اسے ایجاد کیا تا کہ جبراً لوگوں کو مسلمان بنایا جا سکے۔ علامہ کا کہنا ہے کہ اسلام کے متعلق یہ خیال درست نہیں ہے، اسی لئے مولانا نے اس کتاب میں تین پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا ہے ایک تو یہ کہ ضریہ کس زبان کا لفظ ہے اور کن معنوں میں مستعمل ہے، دوسرے ایران اور عرب میں جزیہ کی بنیاد کب سے قائم ہوئی اور اسلام نے اسے کس مقصد کے تحت اختیار کیا۔

''مفاتیح العلوم'' کے حوالہ سے مولانا نے بتایا کہ لفظ جزیہ معرب ہے جس کی اصل ''گزیہ'' ہے۔ اس کے معنی فارسی میں خراج کے ہیں۔ اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ یہ فارسی لفظ ہے اور اسلام سے قبل عربوں میں جزیہ کا لفظ مستعمل تھا۔

تاریخ طبری کے حوالہ سے مولانا نے اس مسئلہ کو اٹھایا کہ ایران اور عرب میں خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو بادنی تغیر اسلام میں رائج ہیں وہ نوشیرواں نے لوگوں پر جزیہ فوج کے لئے لگایا تھا کیوں کہ فوج ملک کی پاسبان ہے۔

آگے مولانا نے یہ وضاحت کی ہے کہ اسلام نے غیر مذہب والوں سے جزیہ اس لئے لینے کے لئے کہا کہ وہ اس کے

گہوارۂ عافیت میں سکونت پذیر ہیں، اگر اسلام انہیں تحفظ نہ فراہم کر سکے تو اسے غیر مذہب والوں سے جزیہ لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ایک جگہ خالد بن ولید اپنی غیر مذہب رعایا کے متعلق معاہدہ میں کہتے ہیں ''میں نے تم سے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر۔ پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہم پر ہے۔ جب تک ہم تمہاری محافظت کریں ہم کو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں۔''

اس طرح کی اور مثالیں بھی مولانا نے دی ہیں۔ مختلف معاہدات سے یہ واضح ہے کہ خلفا نے یہ تصریح کی ہے کہ ہم تمہاری اندرونی اور بیرونی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ حفاظت پر قدرت ہوئی تو جزیہ واپس کر دیا جائے گا۔ جزیہ کے مصارف کا تعلق بھی فوجی ضروریات اور عوام کی خدمت سے تھا۔ لشکر کی آراستگی، سرحدوں کی حفاظت، قلعوں کی تعمیر اور ان کے بعد بھی کچھ رقم بچی تو سڑکوں اور پلوں کی تیاری، سررشتۂ تعلیم وغیرہ پر صرف کی جاتی تھی، ان کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچتا تھا اور انہیں بچاتے تھے، جس طرح ذمیوں کے مال سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا تھا، اسی طرح مسلمانوں سے وصول کی گئی صدقہ کی رقم میں ذمہ برابر کے شریک ہوتے تھے۔ مولانا نے اس پہلو کو بھی بیان کیا ہے کہ جزیہ کی ایک خاص سالانہ رقم تھی، اس کا اطلاق حیثیت کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔ ۸۷

## تاریخ بدء الاسلام:

علامہ شبلی کی ایک عربی تالیف ''تاریخ بدء الاسلام'' ہے۔ اس کتاب میں آنحضورﷺ ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات ترتیب کے ساتھ بالاختصار جمع کر دئے گئے ہیں۔ چیز مسلم بچوں کے لئے حد درجہ مفید ہے، یہ واقعات علامہ نے قرآنی آیات، مختلف علماء کرام کتابوں مثلاً قاضی عیاض کی تاریخ ابوالفداء والشفاء، اور ابن اثیر کی الکامل کی مدد سے جمع کئے ہیں۔ بعد میں علامہ حمید الدین فراہی نے اسے مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے طلبہ کے لئے فارسی میں منتقل کیا۔ ۸۸ اس کے بعد میمونہ سلطان نے اسے اردو میں منتقل کیا۔ ۸۹

اس کتاب میں حضورﷺ کی ولادت، رسالت، ہجرت، غزوات وسرایا، دیگر حالات ووفود عرب، شمائل نبی کریمﷺ اور جوامع الکلم سے متعلق چیزوں کو جمع کیا گیا ہے اگر دیکھا جائے تو علامہ نے ۵۴ صفحے کی اس کتاب میں آنحضورﷺ کی پوری سیرت پاک کا ایک جامع خاکہ کر دیا ہے۔ ترتیب حد درجہ قابل ستائش ہے۔ ۹۰

## اسکات المعتدی علی انصات المقتدی:

علامہ کا یک عربی رسالہ ''اسکات المعتدی علی انصات المقتدی'' کے عنوان سے ہے یہ رسالہ ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں علامہ نے قرآن کریم کی آیت ''واذا قری القرآن فاستمعو عوالہ وانصتوا'' اور متعدد حدیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سری اور جہری دونوں نمازوں میں قرأت کرنا جائز نہیں ہے۔ علامہ نے اس مسئلہ کو نہایت عالمانہ اور فقیہانہ انداز میں پیش کیا ہے اور حدیث سے جس انداز میں استدلال کیا ہے اس سے علامہ کی فقہی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۹۱

اس رسالہ سے قبل علامہ نے ایک رسالہ اردو میں ''ظل الغمام فی مسئلہ القراۃ خلف المام'' کے عنوان سے لکھا

ہے۔ یہ چالیس صفحات پر مشتمل رسالہ ہے جو ۱۲۹۲ھ میں کانپور کے مشہور مطبع نظامی سے شائع ہوا۔ یہ رسالہ دراصل مولانا سلامت اللہ کے کسی رسالہ کے جواب میں ہے۔ اس میں بھی مولانا نے اسی مسئلہ پر زور دیا ہے کہ امام کے پیچھے قرآن کریم اور حدیث کی رو سے قرأت نہ کرنا واجب ہے۔ علامہ کا کہنا ہے کہ میں نے اس میں دو چیزوں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ''ایک یہ کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب قرآن و حدیث سے صاف صاف ثابت ہے۔ پس غیر مقلدوں کا یہ بیان کہ چونکہ امام صاحب کا مذہب احادیث کے خلاف ہے اس لئے ہم اس پر عمل نہیں کرتے، بالکل از راہ فریب و مکر ہے۔ دوسرے یہ کہ غیر مقلدین حدیثوں میں کس قدر کذب و افتاء کو کام میں لاتے ہیں۔

مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے علامہ شبلی کے جواب کے لئے ۱۲۹۴ھ میں ایک کتاب ''امام الکلام فیما یتعلق بالقرأۃ خلف الامام'' کے عنوان سے تحریر کی اور بتایا کہ جہری میں امام کے سکتات میں یعنی سورہ فاتحہ پڑھنے میں جہاں جہاں امام چپ ہو اور سری میں عام طور پر مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے اور علماء احناف کی طرح مولانا شبلی کا خیال تھا کہ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہ صرف یہ کہ واجب نہیں بلکہ مکروہ ہے، اپنی اس بات کے ثبوت کے لئے اور مولانا عبدالحیٔ کی تحقیق کا جواب دینے کے لئے علامہ نے یہ رسالہ ''اسکات المقتدی علی انصات المقتدی'' تالیف کیا۔ جو ۱۲۹۸ھ میں مطبع نظامی کانپور سے منظر عام پر آیا ۹۲۔ اس رسالہ کو مصر، شام، اور روم میں قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھا گیا۔ ۹۳

یہ عربی رسالہ جب مولانا عبدالحیٔ کے تلامذہ کے حلقوں میں پہنچا تو انہوں نے اس کے جوابات لکھے۔ اس کا پہلا جواب ان کے شاگرد مولانا نور محمد ملتانی نے لکھا جو تین رسالوں کی صورت میں شائع ہوا۔ پہلے کا عنوان ''تذکرہ المنتھی فی رد اسکات المعتدی'' تھا۔ دوسرے کا ''التنسھات علی ھفوات الاسکات'' تھا اور تیسرے کا ''الافادات فی رد الاسکات'' تھا۔ ملا حافظ شعیب حنفی نے بھی اس کے جواب میں ایک رسالہ ''الایماضات الی اغلاط مصنف الاسکات'' کے عنوان سے لکھا۔ ۹۴ اور بعد میں مولانا عبدالحیٔ صاحب نے اپنا رسالہ ''امام الکلام'' دوبارہ شائع کیا تو اس کے حاشیہ میں علامہ کا نام لئے بغیر ان کے اعتراضات کے جواب دیئے۔ ۹۵

## طبقات ابن سعد:

مولانا کا ایک رسالہ ''طبقات ابن سعد'' ہے۔ اس میں طبقات ابن سعد کے اس حصہ کا ترجمہ ہے جس میں نبی ﷺ کی جانب سے بھیجے گئے سفراء اور آپ کی خدمت اقدس میں آنے والے وفود کا ذکر ہے۔ یہ رسالہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس کا فارسی ترجمہ از مولانا حمید الدین فراہی دستیاب ہے۔ ۹۶

## عربی خطوط:

ان کتابوں کے علاوہ مولانا نے بہت سے خطوط و نائے عرب کے مختلف اہل علم کو لکھے ہوں گے، کیونکہ ان کی تحریروں

اور خصوصاً سفرنامہ سے پتہ چلتا ہے کہ دنائے عرب کے علمی حلقوں سے آپ کے روابط تھے، لیکن افسوس کہ یہ خطوط حادثات زمانہ کی نذر ہو گئے۔ اگر یہ خطوط مل جاتے تو ایک طرف ان کی عربی تحریر کا ایک اور اسلوب منظر عام پر آتا اور بہت سے دوسرے علماء مسائل سے استفادہ کرنے کے مواقع ملتے۔ مولانا کی عربی خطوط نگاری کے متعلق سید سلیمان ندویؒ نے یہ لکھا ہے کہ ''مولانا کے عربی خطوط زیادہ تر علماء مصر کے نام ہوتے تھے، وہ مل نہیں سکتے اس لئے انہیں خطوط پر اکتفا کرنا پڑا۔ ۹۷

علامہ کے صرف تین خطوط مکاتیب شبلی میں شامل ہیں۔ ایک خط کے مکتوب الیہ کا پتہ نہیں۔ بقیہ دو خط نواب سید علی حسن خاں اور مولوی سید عبدالحئی کے نام ہیں۔ ۹۸ یہاں پر ان کا ایک خط نقل کیا جا رہا ہے۔

هذا ديوان الصبا بة يصل اليكم واما انى فلا يمكننى حضور لديكم لانى اشغلت بامور غير طائلة وقعدت همتى وصرفت عنان لعنا الى الدنيا الدنيه وبرأت من تحصيل كمال العلم والادب ذمتى فانى بحمد الله خلقت و كسب الفضل سيط من دمى. فهولا يفارقنى ان شا ء الله فى حالتى وجود دى وعدى. بل لانى لملا زمتى هزه العهدة الرذيلة ا م التفكر فى حالتى فيز يد همى ويزداد ملالتى و ببد كم الانصاف ماهذاالا الجور والا عتساف قصبه جميل وهو حسبى انعم الوكيل.

اس خط سے پوری طرح واضح ہے کہ عربی لکھنے کی علامہ کے اندر اچھی صلاحیت تھی، جس طرح اردو میں انہوں نے اپنا ایک منفرد اسلوب بنا لیا تھا، اگر وہ مستقل عربی زبان کو اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بناتے تو آج عرب مصنفین ان کے اسلوب اور انداز تحریر کی اتباع کرتے۔ اس خط کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہے کہ عربی لکھنے میں انہیں قطعاً کوئی تکلف نہیں تھا۔ وہ بآسانی اپنی تمام تصانیف عربی میں لکھ سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی قومی اور مادری زبان کو ذریعہ تصنیف قرار دینا زیادہ مناسب تصور کیا۔ ۹۹

ان کے اسی خط کے متعلق سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''ان کی عربی انشاء اسی زمانہ میں کیسی، صاف، دلچسپ، فصیح اور خالص عربی میں ہونے لگی تھی۔ اور جو ہندوستانیت اور متاخرین کے تکلفات بارده سے بالکل پاک ہے۔ ۱۰۰

ان کے اسلوب پر مزید روشنی کے لئے ایک اقتباس ان کی کتاب الانتقاد على تاريخ التمدن السلامى سے ملاحظہ ہو۔

فمن كان هذا مبلغه من العلم و محله من النظر هل يصلح لسلوك هذا الطريق الوعد والخوض فى غمار هزذا البحث الدقيق الذى يحتاج الى التضلع فى العلو م السلاميه والتوسع فيها مع سعة النظر ووفرة المواد واصابة الراء وشدة الفحص و افراغ الجهد و تكميل الادوات. ثم ان الرجل ههنا هو الرجل الذى عهد فاه قبل ذلك فى سوء طويته وكامن حقده و تحامله على المعرب واتياده بالتحريف وتمرنه بسوء التاول وتلبيس الكلام وهاك امثلة من هذه.

یہ کتاب اپنی تحقیق و تنقید کے لحاظ سے جہاں بے مثال ہے وہیں اپنے زبان و بیان اور انداز تحریر کے لحاظ سے بھی منفرد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رشید رضا نے اپنے مجلہ ''المنار'' میں بڑی خوشی سے شائع کیا اور لکھا کہ ''وہ مصر کے کئی علماء کو ادھر متوجہ کر چکے

تھے۔مگر کسی نے ہمت نہیں کی۔بحمد للہ یہ فرض کفایہ ہندوستان کے ایک عالم سے اداہ وسکا''۱۰۲ رشید رضا کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ خود اس کی تردید لکھنا چاہتے تھے لیکن اس کی علمی بددیانتوں کا میدان اس قدر وسیع تھا کہ اس پر قابو پانا آسان نہ تھا۔''۱۰۳

اس کتاب کے طرز تحریر پر سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں۔''اس رسالہ کی عربی تحریر بڑی انشا پردازانہ ہے،مولانا عربی تحریر میں جاحظ کی بیان وتبیین اور کتاب الحیوان اکثر مطالعہ میں رہتی۔''

مولانا کی مذکورہ تمام خدمات کو دیکھتے کے بعد یہ بات بغیر کسی خوف کے کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں عربی زبان وادب کے فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیاہ۔علی گڑھ میں رہے تو یہاں انہوں نے طلبہ کے اندر عربی تحریر وتقریر کا ذوق پیدا کیا، یہاں سے جانے کے بعد ندوۃ العلماء کو عربی زبان وادب کا ایک مرکز بنانے میں غیر معمولی خدمت انجام دی، اور آخر میں دارالمصنفین کے نام سے عربی مصادر وماخذ کا مشہور ادارہ قائم کیا۔بہر کیف ان کی یہ ادارتی اور تصنیفی خدمات پوری طرح غماز ہیں کہ انہوں نے ہندوستان میں عربی زبان وادب کے لئے فروغ بڑے جتن کئے اور پہلی بار ہندوستان کو جدید عربی سے روشناس کرایا اور علماء عرب سے روابط قائم کئے۔

## حواشی:

۱۔ دیکھئے مکاتیب شبلی کی دونوں جلدیں، اس میں متعدد خطوط، کتابوں کی اشاعت، خریداری اور معلومات سے متعلق ہیں۔

۲۔ حیات شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی، طبع ثانی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء، ص:۱۷

۳۔ ایضاً، ص۷۳۔۷۴، نیز دیکھئے مقالات شبلی (باہتمام مولوی مسعود علی ندوی) مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۳۸ء ۸/۳۷۔۳۹

۴۔ ایضاً۔ وضاحت کے لئے دیکھئے، ص۷۴۔۷۶

۵۔ سفرنامہ روم ومصر وشام۔ مولانا شبلی نعمانی۔ مطبع معارف۔ اعظم گڑھ۔ ۱۹۴۰ء ص:۷۷

۶۔ حیات شبلی۔ ص:۱۲۱۔۱۲۳

۷۔ ایضاً۔ ص۱۴۸۔۱۴۹

۸۔ ایضاً۔ ص۱۵۹

۹۔ ایضاً۔ وضاحت کے لئے دیکھئے۔ ص۳۳۷۔۲۵۱

۱۰۔ مکاتیب شبلی (مرتبہ سید سلیمان ندوی) طبع دوم۔ مطبع معارف اعظم گڑھ۔ ۱۹۲۸ء۔ ۱/۳۱۳

۱۱۔ حیات شبلی۔ وضاحت کے لئے دیکھئے، ص۳۲۴۔۳۲۵

۱۲۔ ایضاً۔ ص۲۰۳

۱۳۔ مکاتیب شبلی ۱/۴

۱۴۔ سفرنامہ روم ومصر وشام۔ شبلی نعمانی۔ مطبع معارف اعظم گڑھ۔ ۱۹۴۰ء۔ ص۲۵

۱۵۔ ایضاً۔ ص۱۷۶

۱۶۔ مکاتیب شبلی (مرتبہ سید سلیمان ندوی) طبع دوم، مطبع معارف اعظم گڑھ۔ ۱۹۷۲ء ۲/۱۸۱

۱۷۔ سفرنامہ روم ومصر وشام، ص۱۶۲

۱۸۔ مولانا کی یہ کتاب ۱۹۱۲ء کے بعد المنار کے کسی شمارہ میں شائع ہوئی۔ دیکھئے: حیات شبلی ص:۵۸۱

۱۹۔ سفرنامہ روم ومصر وشام، ص۲۱۸

۲۰۔ مکاتیب شبلی ۲/۶۳

۲۱۔ الطون صالحانی ایک مشہور عیسائی عربی ادیب تھے۔ جو ۱۸۴۷ء میں دمشق کے اندر پیدا ہوئے اور ۱۹۴۱ء میں بیروت میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی تصانیف درج ذیل ہیں۔ (۱) رقات المثالث والثانی فی روایات الاغانی (۲) ملحق دیوان اخطل (۳) طرائف و فکاھات فی اربع حکایات دیکھئے الاعلام۔ الزرکلی۔ دار العلم للملایین ۱۹۹۹ء ۲/۲۸

۲۲۔ سفرنامہ روم ومصر وشام، ص۱۶۰

۲۳۔ ایضاً۔ ص۶۲

۲۴۔ ایضاً۔ ص۲۲۰

۲۵۔ ایضاً۔ ص۲۰۷۔۲۰۹

۲۶۔ الاعلام۔الزرکلی۔دارالعلم للملایین۔نویں بار۔بیروت۔۱۹۹۰ء۴/۳۲۲

۲۷۔ سفرنامہ روم ومصروشام،ص:۲۲۴

۲۸۔ الاعلام۔۴/۲۵۲۔۲۵۳

۲۹۔ سفرنامہ روم ومصروشام،ص۲۲۴۔۲۲۵

۳۰۔ الاعلام۔الزرکلی۔نویں بار بیروت۔۱۹۹۰ء۶/۴۳

۳۱۔ سفرنامہ روم ومصروشام،ص:۲۲۵

۳۲۔ الاعلام۔الزرکلی۔الطبعۃ التاسعۃ۔ دارالعلم للملایین۔۱۹۹۰ء۱/۱۲۶۔۱۲۷

۳۳۔ سفرنامہ روم ومصروشام،ص:۲۲۵

۳۴۔ محمد عبدہ کی حیات وخدمات سے متعلق دیکھئے۔محمد عبدہ عثمان امین۔دارالکتب العربیہ،ص:(ب ت) نیز دیکھئے:مصر میں مقالہ نگاری کا رنقاد۔ابوسفیان اصلاحی

۳۵۔ سفرنامہ روم ومصروشام،ص:۲۲۶

۳۶۔ الاعلام۔الزرکلی۔نویں بار دارالعلم للملایین۔بیروت۔۱۹۹۰ء۲/۲۸۰

۳۷۔ سفرنامہ روم ومصروشام،ص:۲۲۷

۳۸۔ جمال الدین افغانی پر دیکھئے خاکسار کا مضمون:جمال الدین افغانی۔نقوش۔لاہور۔ش نمبر۴۴،ص۴۲۔۵۴

۳۹۔ حیات شبلی،ص۴۹۹۔۵۰۲

۴۰۔ وضاحت کے لئے دیکھئے سفرنامہ روم ومصروشام

۴۱۔ سفرنامہ روم ومصروشام

۴۲۔ ایضاً۔ص۲۳۲۔۲۳۳

۴۳۔ حیات شبلی،ص۲۱۵

۴۴۔ سفرنامہ روم ومصروشام

۴۵۔ حیات شبلی،ص۴۲۲

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ ایضاً

۴۸۔ ایضاً

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ علم الکلام۔علامہ شبلی نعمانی۔طبع پنجم۔مطبع معارف،اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء۱/۲۔۳

۵۱۔ ایضاً۔ص۴

۵۲۔ ایضاً۔ص۴

۵۳۔ ایضاً۔۱/۴۔۷

۵۴۔ سیرۃ النعمان۔علامہ شبلی نعمانی۔مرکنٹائل پریس،لاہور(بدون تاریخ)ص:۵۔۹

۵۵۔ دیکھئے: السام کی تاریخ نگاری کے مسائل اوران کا حل۔محمد یسین مظہر صدیقی۔مجلّہ علوم اسلامیہ، ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ۔۸۷۔۱۹۸۰ء۔۱۳/۱۔۲ص:۶۹۔۱۰۴

۵۶۔ افادات مہدی۔طبع سوم۔معارف پریس،اعظم گڑھ۔۱۹۳۹ء،ص ۱۵

۵۷۔ المامون۔علامہ شبلی نعمانی،طبع دوم۔مطبع معارف،اعظم گڑھ۔۱۹۵۷ء ص ۹

۵۸۔ ایضاً۔ص ۱۰

۵۹۔ وضاحت کے لئے پیش لفظ:الفروق۔علامہ شبلی نعمانی۔یونین پریس،دہلی ۱۹۵۱ء۔ص ۲۴۔۲۵

۶۰۔ الغزالی شبلی نعمانی(تمہید)ص ۶

۶۱۔ دیکھئے تمہید اور حواشی:سیرت النبی۔علامہ شبلی نعمانی

۶۲۔ وضاحت کے لئے دیکھئے:مقالات شبلی(مرتبہ سید سلیمان ندوی)طبع پنجم۔مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۶۴ء ص ۲۴۔۲۵

۶۳۔ وضاحت کے لئے دیکھئے:مقالات شبلی ۲/۴۔۶

۶۴۔ ایضاً۔۲/۱۳۔۲۸

۶۵۔ ایضاً۔۲/۲۹۔۴۸

۶۶۔ ایضاً۔۲/۴۹۔۵۶

۶۷۔ مقالات شبلی۔(مرتبہ سید سلیمان ندوی)طبع سوم۔مطبع معارف،اعظم گڑھ۔۱۹۵۶ء ۴/۱۔۲

۶۸۔ ایضاً۔ص ۸

۶۹۔ ایضاً۔وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:۲/۱۳۔۱۵

۷۰۔ ایضاً۔وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:۲/۱۹۔۲۸

۷۱۔ ایضاً۔وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:۲/۴۲۔۴۸

۷۲۔ ایضاً۔وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:۲/۴۲۔۴۸

۷۳۔ ایضاً۔وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:۲/۴۹۔۵۳

۷۴۔ ایضاً۔وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:۲/۱۱۵۔۱۲۶

۷۵۔ ایضاً۔وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:۱۸۹۔۱۹۱

۷۶۔ وضاحت کے لئے دیکھئے:مقالات شبلی(مرتبہ سید سلیمان ندوی)طبع دوم ۱۹۵۵ء ۵/۱۸۔۶۱

۷۷۔ ایضاً۔وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:۵/۶۲۔۷۶

۷۸۔ ایضاً۔وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:۵/۷۷۔۹۱

۷۹۔ ایضاً۔وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:۵/۱۱۲۔۱۲۸ الندوہ جلد ۸،شمارہ نمبر

۸۰۔ ایضاً ۵/۱۲۹۔۱۳۱، نیز فرید وجدی پر دیکھئے خاکسار کا مضمون:فرید وجدی اوران کے افکار۔معارف۔دارالمصنفین،اعظم گڑھ، فروری ۱۹۹۴ء،۱۵۳/۲۔ص ۱۰۹۔۱۲۵، مارچ ۱۵۴/۳،بس ۱۸۰۔۱۸۹

۸۱۔ مقالات شبلی۔(مرتبہ سید سلیمان ندوی) طبع سوم مطبع معارف، اعظم گڑھ۔۱۹۵۶ء ۱۳۳/۴

۸۲۔ الانتقاد علی الکتاب التمدن الاسلامی۔الشیخ الستاذ شبلی نعمانی الہندی۔مطبع آسی پریس۔لکھنؤ ۱۹۱۲ء ص ۳

۸۳۔ تاریخ التمدن السلامی۔جرجی زیدان۔مطبعۃ الہلال۔مصر ۱۹۰۳ء، ص ۱۹/۲

۸۴۔ تاریخ التمدن السلامی۔جرجی زیدان۔مطبعۃ الہلال۔مصر ۱۹۰۳ء، ص ۷۸/۴

۸۵۔ ایضاً۔۷۸/۲

۸۶۔ ایضاً۔۳۰/۲۔۳۲

۸۷۔ ایضاً۔۳۲/۲

۸۸۔ وضاحت کے لئے دیکھئے۔الانتقاد علی الکتاب التمدن الاسلامی۔ص ۱۔۸۲

۸۹۔ وضاحت کے لئے دیکھئے۔کتاب الجزیہ۔الشیخ شبلی نعمانی۔مطبع مفید عام۔آگرہ ۱۳۱۲ھ، ص ۱۸ نیز اسکا اردو ترجمہ دیکھئے: مقالات شبلی (باہتمام مولانا مسعود علی ندوی) مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء، ص ۲۲۱۔۲۳۳

۹۰۔ فارسی رسالہ بدالاسلام۔ترجمہ از حمید الدین فراہی۔طبع اول تجارتی پریس، علی گڑھ (بدون تاریخ) ص ۱۔۲۶

۹۱۔ آغاز اسلام (مترجمہ بدء الاسلام) علامہ شبلی نعمانی۔رحمانی پریس دہلی ۱۳۴۳ھ۔ص ۱۔۷۰

۹۲۔ تاریخ بدء السلام۔محمد شبلی نعمانی مطبع مفید عام۔اکبر آباد (بدون تاریخ) ص ۱۔۵۴

۹۳۔ اسکات المعتدی علی انصات المقتدی۔مطبع نظامی۔کانپور (بدون تاریخ) ص ۱۔۲۴

۹۴۔ وضاحت کے لئے دیکھئے: حیات شبلی۔ص ۱۱۰۔۱۰۵

۹۵۔ سفرنامہ روم ومصر وشام۔ص ۳۳۔۳۴ نیز دیکھئے: حیات شبلی ص ۱۰۵

۹۶۔ حیات شبلی ص ۱۰۵

۹۷۔ ایضاً ص ۱۰۶

۹۸۔ طبقات محمد بن سعد۔ترجمہ از مولانا حمید الدین فراہی۔طبع اول۔مطبع عام۔آگرہ۔۱۸۱۹ء ص ۱۔۶

۹۹۔ مکاتیب شبلی (مرتبہ سید سلیمان ندوی) طبع دوم۔مطبع معارف۔اعظم گڑھ۔۱۹۲۷ء ۲۶۰/۲

۱۰۰۔ ایضاً ۲۶۰/۲۔۲۶۱

۱۰۱۔ مقالات شبلی ۱۳/۲

۱۰۲۔ حیات شبلی ص ۱۱۱

۱۰۳۔ مکاتیب شبلی ۳۶/۲

۱۰۴۔ حیات شبلی ص ۵۸۱